کتابتِ وحی اور کاتبین رضی اللہ عنہم

جس میں وحی کی حقیقت، وحی کی مُختلف کیفیات، وحی کے عقلی امکان، حفاظتِ قرآن کے غیبی نظام، عہدنبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابتِ وحی کا نظام اور مختلف ادوار میں جمع قرآن کے علاوہ ممتاز کاتبینِ وحی رضی اللہ عنہم کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے نیز ہر بات مستند مراجع کے حوالہ سے عام فہم اور سلیس زبان میں کہی گئی ہے

مصنف
مولانا محمد نافع عارفی
متخصص فی الفقہ الاسلامی

MAKTABA-E-REHMANIA

کتابتِ وحی اور کاتبین رضی اللہ عنہم

جس میں وحی کی حقیقت، وحی کی مختلف کیفیات، وحی کے عقلی امکان، حفاظتِ قرآن کے غیبی نظام، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابتِ وحی کا نظام اور مختلف ادوار میں جمع قرآن کے علاوہ ممتاز کاتبینِ وحی رضی اللہ عنہم کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے نیز ہر بات مستند مراجع کے حوالہ سے عام فہم اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے

مصنف

مولانا محمد نافع عارفی

متخصص فی الفقہ الاسلامی

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب: کتابت وحی اور کاتبین رضی اللہ عنہم

مصنف: مولانا محمد نافع عارفی

ناشر: مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع: خضر جاوید پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جوابدہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

انتساب

سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام جن کے صدقہ طفیل بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی۔

اور

ان نفوس قدسیہ کے نام جنہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم کی کتابت کا شرف حاصل ہوا۔

اور

اپنی ماں کے نام جن کی گود ہماری پہلی درس گاہ تھی.......

محمد نافع عارفی
(بیت العلم ہرسنگھ پور، دربھنگہ)
۵؍رجب ۱۴۲۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی جسمانی غذاؤں کا سروسامان فرمایا ہے، اسی طرح اس کے لئے روحانی غذا بھی مہیا کی ہے، یہ روحانی غذا اللہ کے پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے ذریعہ فراہم ہوتی ہے، خدا نے ہمیشہ اپنے بندوں کے لئے روحانی دسترخوان سجایا ہے، لیکن اس کی آخری صورت قرآن مجید ہے یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہے اور جس پیغمبر پر یہ کتاب برحق نازل ہوئی ان کی نبوت بھی قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا خاص طور پر وعدہ فرمایا ہے، بلکہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے:

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ ﴾ (الحجر:۹)

من جانب اللہ اس کی حفاظت کا نتیجہ ہے کہ آج قرآن کی جمع وتدوین کی پوری تاریخ روشنی میں ہے قرآن مجید آپ ﷺ پر کس طرح نازل ہوا؟ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی؟ سب سے آخر میں کس آیت کا نزول ہوا؟ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں، ہجرت کے بعد نازل ہونے والی آیتیں، دن میں نازل ہونے والی آیتیں، اور رات میں نازل ہونے والی آیتیں، کون سی آیتیں آسمان پر نازل ہوئیں؟ اور کون سی آیتیں براہِ راست حق تعالیٰ نے آپ پر القاء فرمائیں؟ پھر رسول اللہ ﷺ کس طرح اور کن لوگوں کو آیات... بار کہ لکھایا کرتے تھے، کن کن حضرات کو کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا، آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کیسے مقرر

ہوئی؟ آپ ﷺ کے بعد عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں جمع قرآن کے ارتقائی مراحل کیوں کر طے ہوئے؟ وغیرہ، نہ جانے کتنی جزئیات ہیں، جن کو علمائے اسلام نے اپنی بحث کی جولان گاہ بنایا ہے، اور نہایت دقتِ نظر کے ساتھ ایک ایک نقطہ پر شافی وکافی بحث کی ہے، دنیا کے کسی مذہبی صحیفہ بلکہ غیر مذہبی کتاب کے سلسلہ میں بھی ان تفصیلات کا عشر عشیر معلوم ہونا دشوار ہے۔

غور کیا جائے تو قرآن مجید کی لفظی ومعنوی حفاظت اور اس حفاظت کی تاریخ کی بھی حفاظت قرآن مجید کا بجائے خود ایک زندہ معجزہ ہے، اور کوئی انسان صرف اسی پہلو پر غور کرے تو اس کی ہدایت کے لئے کافی ہے کیونکہ قدرت کا نظام یہی ہے کہ جو چیز انسانیت کے لئے مفید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھتا ہے، اور جو چیز اپنا نفع کھو دیتی ہے، وہ دنیا میں محفوظ نہیں رہتی، قرآن مجید چونکہ انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایک ضرورت ہے، اور قیامت تک ہدایت اسی کتاب سے متعلق ہے، اسی لئے من جانب اللہ اس کی حفاظت کا ایسا نظم کیا گیا ہے کہ آج تک اس میں ایک نقطہ اور شوشہ کی تبدیلی بھی نہیں کی جا سکی، اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک ایسا ہو سکے گا۔

اسلام کے معاندین اور دین حق کے مخالفین نے خاص طور پر قرآن کو ہدف بنانے کی کوشش کی ہے، اور اس کی جمع وترتیب کے سلسلے میں شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں، اس سے آگاہ ہونا چاہیے، چنانچہ مختلف اہل علم نے علوم القرآن کے ذیل میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیزی گرامی قدر مولانا محمد نافع عارفی کو کہ انہوں نے اس موضوع پر سہل اور آسان اسلوب میں مثبت انداز پر روشنی ڈالی ہے، اور اپنی اس تالیف میں مستند اور معتبر مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے گفتگو کی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے ان شاء اللہ قارئین "قرآن کی کہانی" سے واقف ہو سکیں گے، کہ یہ کتاب مبین کس طرح نازل ہوئی ہے؟ کیونکر اس کی جمع وترتیب عمل میں آئی؟ اور پھر عہد بہ عہد اس کی کیا خدمت سرانجام پائی، نیز کن خوش نصیب لوگوں کو اس سعادت میں شریک وسہیم ہونے کا موقع ملا۔

مؤلف عزیز دار العلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درس گاہ کے فاضل ہیں، پھر

المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد میں فقہ وافتاء میں اختصاص کیا ہے، عزیز سلمہ نے اپنے اختصاص کا مقالہ "اسلام کا نظام زراعت" کے عنوان سے سپرد قلم کیا ہے، جس کی اشاعت ابھی حال ہی میں ہوئی ہے، وہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو بہار میں علم و معرفت کے اعتبار سے بہت ہی ممتاز رہا ہے، اسی خانوادہ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ ہر سنگھ پوری حضرت مولانا علی مونگیری کے سب سے ممتاز خلیفہ تھے، اور علوم ظاہری اور خاص کر حدیث میں انہیں براہِ راست حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے اجازت حاصل تھی، حضرت ہر سنگھ پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اب تک یہ خاندان علم معرفت کے اعتبار سے پورے علاقہ میں ممتاز ہے، اور خود مؤلف عزیز کے والد ماجد مخدومی حضرت مولانا محمد سعد اللہ صدیقی صاحب دامت برکاتہم ایک عمیق العلم عالم اور جید استاذ بلکہ استاد الاساتذہ ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزی سلمہ کو اسم بامسمّٰی بنادے، ان کے نفع کو عام و تام فرمائے اور اس کتاب کو عند اللہ اور عند الناس قبول حاصل ہو۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْمُسْتَعَانُ

خالد سیف اللہ رحمانی
خادم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد
۲۶ / ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
۳ / جون ۲۰۰۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

مُقَدِّمَۃ

تمام تعریف اس اللہ کی ہے جس نے حضرت انسان کے لئے کائنات کی بستی بسائی اور اسے اس شان سے یہاں رکھا کہ اس کی ایک ایک ضرورت اور راحت کا سامان فراہم کیا۔ پھر جس طرح اس کی جسمانی غذاؤں کی تکمیل کا سروسامان پیدا کیا اسی طرح اس کی روحانی تشنگی کو بجھانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کو مبعوث فرمایا اور انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کتابیں نازل کیں اور اس کی اخلاقی و روحانی تربیت کا خاص اہتمام فرمایا:

﴿رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی ۝﴾ (طٰہٰ:٥٠)

"اور ہر ہر قوم کی ہدایت کے لئے اسی کی زبان میں گفتگو کرنے والا پیغمبر بھیجا۔"

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ﴾ (ابراہیم:٤)

"تاکہ وہ لوگوں کو انہی کے اسلوب و زبان میں اللہ تعالیٰ کے احکام بتلائے۔"

تاکہ لوگ ان کا کہا مان کر اللہ کی خوشنودی و رضا حاصل کر سکیں، لیکن ان کتبِ ہدایت کی آخری صورت قرآن مجید ہے، یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہے، اور جس نبی برحق

پر یہ کتاب نازل ہوئی اس کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے ——— اس لئے اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کا خاص طور پر ذمہ لیا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾ (الحجر:۹)

"کہ ہم نے ہی ذکر (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

من جانب اللہ اس کی حفاظت کا ثمرہ ہے کہ قرآن کریم کی پوری تاریخ روشنی میں ہے۔ قرآن مجید نبی ﷺ پر کتنے برسوں میں نازل ہوا؟ کن کن مقامات پر اور کن کن وقتوں میں نازل ہوا؟ جاڑے میں نازل ہونے والی آیتیں، گرمی میں نازل ہونے والی آیتیں، نازل ہوئیں؟ "نزولِ وحی" کے وقت آپ ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی؟ سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی؟ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں، ہجرت کے بعد نازل ہونے والی آیتیں، حضر میں نازل ہونے والی آیتیں، سفر میں نازل ہونے والی آیتیں، فرش پر نازل ہونے والی آیتیں، فضا میں نازل ہونے والی آیتیں، عرش پر نازل ہونے والی آیتیں۔

پھر نبی ﷺ نے کس طرح اور کن کن لوگوں سے کتابتِ وحی کا کام لیا۔ اور کن کن لوگوں کو کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا، آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کیسے مقرر ہوئی، عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں تدوینِ قرآن کے ارتقائی مراحل کیونکر طے ہوئے؟ وغیرہ نہ جانے کتنے ایسے جزئیات ہیں، جن پر علمائے اسلام نے نہایت دقتِ نظر کے ساتھ بحث کی ہے، اور مستقل کتابیں لکھی ہیں، غور کیا جائے تو قرآن کریم کی حفاظت پھر اس حفاظت کی بھی حفاظت قرآن کریم کا ایک انوکھا معجزہ ہے۔ دنیا کی کسی کتاب بلکہ کسی مذہبی شخصیت کے بارے میں بھی ان تفصیلات کا عشرِ عشیر بھی معلوم ہونا ممکن نہیں۔

معاندینِ اسلام نے قرآن کریم کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ اور اس کی تدوین و ترتیب میں طرح طرح کے شبہات پیدا کئے ہیں اور اس کتابِ برحق کی صداقت و

حقانیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے علمائے حق نے علوم قرآن کے ضمن میں ان تمام اعتراضات کا جائزہ لیا ہے، اور اس پر مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں، شاید ہی دُنیا کی کوئی اہم زبان ہو جس میں علوم قرآن پر مستقل اور اہم کتابیں موجود نہ ہوں۔

لیکن اس کوتاہ علم کی نظر سے کوئی ایسی قابل ذکر کتاب نہیں گزری جو ان نفوس قدسیہ کی تفصیلی سوانح پر ہو، جن کے پاکیزہ قلم کو "کتابتِ وحی" کا شرف حاصل ہوا، پھر اُردو تو کجا خود عربی زبان میں بھی اس عنوان سے مستقل کتاب نہیں، البتہ علامہ ابن کثیر جیسے بعض علماء نے "کتاب الوحی" کے عنوان سے بعض کاتبین کا ترجمہ مختصراً ذکر کیا ہے۔

عرصہ سے راقم الحروف کی خواہش تھی کہ اس اہم موضوع پر قلم اُٹھایا جائے، اور ان اصحاب رسول ﷺ کے تابندہ نقوش کا ایک گلدستہ سجایا جائے۔ چنانچہ جب اس خواہش کا اظہار اس حقیر نے حضرت الاستاذ فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم سے کیا تو حضرت نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کام کے آغاز کا حکم دیا۔ پھر خیال ہوا کہ کیوں نہ ابتداء میں علوم قرآن کے اہم مسائل ذکر کر دیئے جائیں تاکہ تشنگانِ علوم قرآن کے دل کی تسکین کا سامان یہاں بھی ہو جائے۔ لہٰذا اس مقصد کے تحت علوم قرآن، اہم مباحث بھی ذکر کئے گئے۔ لیکن وہ اندازہ سے زیادہ طویل ہو گئے، یا ہونے دیئے گئے۔ یہ کتاب دو بابوں پر منقسم ہے، پہلے باب میں کتابتِ وحی سے متعلق مباحث ہیں، دوسرے باب میں چار ممتاز کاتبین وحی کی تفصیل سوانح ہے۔

راقم الحروف نے ابتداءً ذیلی عنوان ترتیب دیئے اور حضرت الاستاذ مولانا رحمانی کو دکھلایا، پھر کتاب کی ترتیب کے دوران حضرت سے وقتاً فوقتاً مشورہ کرتا رہا، اور مسودہ کی تکمیل کے بعد حضرت نے نہ صرف نظر ثانی فرمائی بلکہ اپنے بیش قیمت مقدمہ سے کتاب کو عزت بخشی، جس کے لئے ناچیز مؤلف حضرت کا تہہ دل سے شکر

گزار ہے۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ "کتابتِ وحی" سے متعلق تمام اہم اور ضروری مباحث کا احاطہ کرلیا جائے اور "کاتبینِ وحی" کی حیاتِ مبارکہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے، اور ان کی زندگی کے ہر گوشہ کو اُجاگر کیا جائے۔ اس کتاب میں اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ جو بھی بات لکھی جائے مستند مراجع کے حوالہ سے لکھی جائے۔ مواد کے اخذ کرنے میں ثانوی درجہ کے مراجع کی بجائے حتی المقدور بنیادی مراجع سے معلومات جمع کی جائیں، کیونکہ یہی طریق صواب اور قرین احتیاط ہے۔ نیز جو کچھ لکھا جائے وہ آسان زبان اور عام فہم اسلوب میں ہو۔

بڑی ناسپاسی اور احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقع پر حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا شکریہ ادا نہ کروں کہ ان کی رہنمائی و دستگیری کے صدقے میں اس کا اہل ہوسکا، اور اس کتاب کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس موقع پر میں اپنے مخلص ومحترم گرامی قدر جناب ڈاکٹر آفتاب اشرف صاحب (ایم ایل ایس کالج) کو کیسے فراموش کرسکتا ہوں کہ اس کتاب کی ترتیب میں ان کا علمی تعاون برابر شامل حال رہا، بڑی احسان فراموشی ہوگی اگر برادر مکرم حضرت مولانا معین احمد ندوی (ناظم تعلیمات مدرسہ چشمہ فیض ململ) کا شکریہ ادا نہ کروں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ محبت سے مجھے نوازا اور چشمہ فیض کا کتب خانہ میرے حوالہ کردیا۔ کتاب کا بیشتر حصہ اسی کتب خانہ میں لکھا گیا ہے۔ میں اس موقع پر والد محترم حضرت مولانا محمد سعد اللہ صدیقی اور ان کے رفقاء اور دادا جان قطب عالم حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اخیر میں بارگاہِ رب ذوالجلال میں میری زبان وقلم اور میرا پورا وجود سجدہ ریز ہے کہ اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو تو کوئی بہتر کام انسان انجام نہیں دے سکتا۔

جو کچھ ہوا تیرے کرم سے ہوا
جو ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

دُعا گو ہوں کہ اس حقیر کوشش کو اللہ تعالیٰ شرف قبول سے نوازے، میرے اور میرے والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

محمد نافع عارفی
بیت العلم ہرسنگھ پور دربھنگہ، بہار
۵؍رجب ۱۴۲۸ھ

باب ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

حصولِ علم کے جتنے بھی ذرائع ہو سکتے ہیں ان کی ایک حد اور انتہاء خدا کی جانب سے مقرر و متعین ہے، اللہ رب العزت نے تین چیزیں ایسی بنائی ہیں جن پر معلوماتِ انسانی کی بنیاد اور انحصار ہے اور وہ حواسِ خمسہ یعنی آنکھ، کان، منہ، ہاتھ، پاؤں ہیں اور عقل ہے۔ جن باتوں کا ادراک حواسِ خمسہ سے ممکن نہیں اور حواسِ خمسہ وہاں جواب دے جاتی ہیں وہاں عقل کی رہنمائی شروع ہوتی ہے۔ لیکن جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے اور انسان معذرت طلب نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے وہیں سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دستگیری اور رہنمائی "وحی" کے ذریعہ فرماتا ہے۔ غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں عقل کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی اور جہاں پہنچ کر حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں وہاں سے عقل کی رہنمائی کی ابتداء ہوتی ہے، پر کیا کیا جائے کہ عقل کی رہنمائی بھی لامحدود نہیں بلکہ ایک مقام ضرور آتا ہے، جہاں جا کر عقل بھی حیران و ششدر ہو جاتی ہے، اب یہیں سے باری تعالیٰ وحی کے ذریعہ انسانوں کو ان کی منزل دکھاتا ہے، اور انہیں گمراہی اور بے راہ روی سے بچا لے جاتا ہے۔ مذکورہ وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ "وحی" ہی بنی آدم کے لئے وہ واحد اور اعلیٰ ترین ذریعہ ہے جو اس کی زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے اس کی زندگی کے ان سوالات کا جواب مہیا کر دیتا ہے، جو حواس و عقل کی قدرت سے باہر ہیں، اس مختصر سی تمہید کے بعد قبل اس کے کہ "وحی" کی ابتداء، وحی کے نزول کی کیفیت، کاتبینِ وحی کی تعداد، ان کے اسماء اور ان کے احوال و اخلاق اور عادات کا ذکر آئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی تعریف پیش کی جائے۔

وحی کی تعریف:

وحی لغت میں ایسی بات کو کہتے ہیں جو دوسروں پر ظاہر نہ ہو۔[۱] اور اصطلاح میں ہر

[۱] دیکھئے: المعجم الوسیط ص: ۱۰۱۸

ایسی بات مراد ہے جس کا القاء اللہ نے اپنے نبیوں کی طرف کیا تا کہ وہ دوسروں تک اسے پہنچادیں۔[1] علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے، چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

وَالْوَحْیُ لُغَۃً ، اَلْاَعْلَامُ فِیْ خِفَاءٍ، وَالْوَحْیُ اَیْضًا اَلْکِتَابَۃُ وَالْمَکْتُوْبُ وَالْبَعْثُ وَالْاَلْہَامُ وَالْاَمْرُ وَالْاِیْمَاءُ وَالْاَشَارَۃُ وَالتَّصْوِیْتُ شَیْئًا بَعْدَ شَیْءٍ ، وَ قِیْلَ : اَصْلُہُ التَّفْہِیْمُ وَ کُلُّ مَا دَلَّتْ بِہٖ مِنْ کَلَامٍ اَوْ کِتَابَۃٍ اَوْ رِسَالَۃٍ اَوْ اِشَارَۃٍ فَھُوَ وَحْیٌ ، وَ شَرْعًا اَلْاَعْلَامُ بِالشَّرْعِ ، وَ قَدْ یُطْلَقُ الْوَحْیُ وَ یُرَادُ بِہٖ اِسْمُ الْمَفْعُوْلِ مِنْہُ اَیِ الْمُوْحٰی ، وَ ھُوَ کَلَامُ اللّٰہِ الْمُنَزَّلُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ.[2]

"وحی لغت میں پوشیدہ بات کے اظہار کو کہتے ہیں، نیز وحی کتابت، مکتوب، بعثت، الہام، حکم، اشارہ اور ایک آواز کے بعد دوسری آواز کا آنا اور کہا جاتا ہے اس کی اصل تفہیم ہے اور ہر وہ چیز جو کسی کلام یا تحریر یا پیغام یا اشارہ پر دلالت کرے وہ وحی ہے، اور شرعاً وحی نام ہے احکام شرع کے اظہار کا، بسا اوقات وحی بولا جاتا ہے اور مفعولی معنی یعنی موحٰی (جس کی وحی کی گئی ہو) مراد ہوتا ہے موحٰی کے معنی ہیں اللہ کا کلام جو نبی ﷺ پر نازل ہوا۔

غارِ حرا کی جغرافیائی حیثیت

بعض اوقات کسی غیر اہم چیز کو بھی کسی عظیم نسبت کی وجہ سے عظمت و عزت حاصل ہو جاتی ہے، وہ چیز یا وہ جگہ انتہائی اہمیت حاصل کر لیتی ہے اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے یہی معاملہ "غارِ حرا" یا "جبل النور" کے ساتھ ہوا۔ دُنیا کے دوسرے غاروں اور پہاڑوں کی طرح یہ بھی ایک غار اور پہاڑ ہے لیکن "وحی" و رسالت اور آپ ﷺ کے مبارک و مسعود قیام نے اس پہاڑ کو بھی بڑی عزت و عظمت اور اہمیت بخش دی اور بڑی ہی قدر و منزلت سے

---

① دیکھئے: المعجم الوسیط ص: ۱۰۱۹

② فتح الباری ۹/۱، ابن حجر عسقلانی

نواز دیا، چنانچہ غارِ حرا ہی وہ مبارک مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے پہلی وحی کے لئے منتخب فرمایا اور یہ غار ہی سب سے پہلا مہبط وحی بن گیا۔ اس لئے مناسب خیال ہوتا ہے کہ پہلے اس مقام کی جغرافیائی حالت بیان کر دی جائے تاکہ تصور ہی میں سہی اس کی تصویر دیکھ لینا ممکن ہو سکے۔ چنانچہ "غارِ حرا" کی جغرافیائی حیثیت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اپنی معروف کتاب "جزیرۃ العرب" میں رقم فرماہیں:

"جبل النور جس میں غارِ حرا ہے جہاں حضور ﷺ نبوت سے پہلے بطور عبادت چند دن گزارا کرتے تھے، مکہ کے شمالی سمت جدھر سے طائف کو راستہ جاتا ہے، تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، مکہ کے پہاڑوں میں سے جبل النور صاف طور پر اور جبل الثور فاصلہ سے دکھائی دیتا ہے۔"[1]

اس مبارک و مسعود غار جس کو آپ ﷺ کے قیام کا شرف حاصل ہے کی لمبائی چار ذراع اور اس کی چوڑائی ایک ہاتھ اور تین بالشت ہے۔[2]

نزولِ وحی کے مختلف طریقے

نبی کریم ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ یکبارگی نہ شروع ہوا اور نہ ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو مکمل قرآن ایک ہی دفعہ دے دیا گیا بلکہ "وحی" کے نزول کی ابتداء آپ پر رویائے صالحہ یعنی سچے خواب وغیرہ کی شکل میں ہوئی، غرض کہ اس کے نزول کی متعدد شکلیں تھیں، مشہور حنبلی عالم اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جانشیں علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث مبارکہ کے تتبع و جستجو کے بعد نزول وحی کی آٹھ صورتیں بیان کی ہیں:

رویاء صالحہ

آپ ﷺ پر نزولِ وحی کا ابتدائی اور سب پہلا طریقہ "رویاء صالحہ" یعنی سچے خواب کا تھا چنانچہ جب کبھی آپ ﷺ کوئی خواب دیکھتے تو اس کی تعبیر صبح کی روشنی کی طرح کھل کر سامنے آجاتی، پھر جب خوابوں کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی اور آپ غارِ حرا میں خدا کی عبادت کے لئے قیام کرنے لگے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ام المومنین حضرت

① جزیرۃ العرب ص: ۲۳۲ ② الرحیق المختوم ۱/۱۰۱، للشیخ مبارک پوری

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں:

((کَانَ لَا یَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَاءَ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ)).[1]

"آپ جب کوئی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجایا کرتا تھا۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((اَیْ مُشَبَّهَةً ضِیَاءِ الصُّبْحِ اَوْ عَلٰی صِفَةٍ لِمَحْذُوْفٍ اَیْ جَائَتْ مَجِیْأً مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ وَالْمُرَادُ بِفَلَقِ الصُّبْحِ ضِیَائُهٗ)).[2]

مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایک منافق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا اس واقعہ کی اطلاع اور اس کے دفعیہ کا طریقہ بھی آپ کو خواب ہی کے ذریعہ بتلایا گیا۔[3]

نفث فی الروع

نزول وحی کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی شکل میں آنے کے بجائے براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر القاء فرما دیتے تھے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ)).[4]

"روح القدس جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں بات ڈالی۔"

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ اس طرح آئی ہے:

((اِنَّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْقٰی فِیْ رُوْعِیْ اَنَّ اَحَدًا مِنْکُمْ لَنْ یَخْرُجَ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یَسْتَکْمِلَ رِزْقَهٗ)).[5]

"جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دُنیا سے

---

① بخاری ۳/۱، باب کیف کان بدء والوحی الی رسول اللہ ﷺ: بیروت لبنان دیکھئے: زاد المعاد: ۷۸/۱، لابن قیم۔

② فتح الباری ۲۲/۱

③ بخاری باب السحر ابواب الطب: ۸۵۸/۲-۸۵۷، کراچی

④ زاد المعاد: ۷۹/۱-۷۸، دیکھئے: الحلیۃ: ۲۷-۲٦، عن ابی امامہ، الاتقان، ۱۲۸/۱

⑤ المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۴/۲، ط، دائرۃ المعارف دکن

نہیں جائے گا تاوقتیکہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔"

تمثلِ ملک

وحی کا تیسرا طریقہ جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، یہ تھا کہ فرشتہ انسانی شکل میں آتا، کلام الٰہی سناتا اور آپ سن کر محفوظ کر لیتے۔

((وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ)).[1]

"اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے، اور بات کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔"

ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے، مشہور حنفی فقیہ اور محدث علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا انتخاب غالباً اس لئے کیا گیا ہوگا کہ آپ نہایت ہی حسین و جمیل تھے، آپ اتنے خوبصورت تھے کہ آپ راستہ میں اپنے چہرے کو ڈھک کر چلا کرتے تھے۔[2] لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اجنبی کی شکل میں تشریف فرما ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت (حدیث جبرئیل) میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بالکل ہی اجنبی کی صورت میں آئے تھے، اس لئے کہ وہاں مقصود ہی لوگوں کو چونکانا اور تعجب میں ڈالنا تھا کہ ایک اجنبی کتنی بے تکلفی اور دلیری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں دریافت کر رہا ہے[3] اور امت کو یہ تعلیم دینا تھا کہ دینی اور شرعی امور میں تکلیف اور شرم سے کام نہ لینا چاہیے، بلکہ بلا تکلف مسائل دریافت کر لینا چاہیے تاکہ احکام شرع کی حفاظت ہو سکے، بہر کیف یہ صورت آپ کے لئے زیادہ دشوار کن نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سہل ترین ہوتی تھی۔ چنانچہ صحیح ابو عوانہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی اس صورت کا ذکر کر کے فرمایا:

---

① بخاری ۱/۳، دیکھئے: زاد المعاد ۱/۷۹
② دیکھئے مشکوۃ المصابیح ۱/۱۱ عن عمر بن الخطاب، کتاب الایمان، الفصل الاول
③ ملاحظہ ہو الاتقان: ۱/۱۲۸

((وَهُوَ اَهْوَنُهٗ عَلَيَّ)).[1]

"اور یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتی۔"

صلصلة الجرس:

وحی کے نازل ہونے کا ایک طریقہ جو آپ ﷺ کے لئے بہت ہی پُر مشقت ہوتی تھی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک قسم کی آواز سنائی دیتی تھی، جیسے کہ گھنٹہ بج رہا ہو، حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ وہ گھنٹوں جیسی آواز ہوا کرتی تھی، اس لئے یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ یہ تشبیہ کیوں دی گئی، البتہ محدثین نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں؟ چنانچہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہاں تشبیہ آواز کے ترنم میں نہیں، بلکہ اس کے تسلسل میں ہے جس طرح گھنٹے کی آواز میں تسلسل ہوتا ہے۔[2] علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محی الدین ابن عربی سے تشبیہ کی دو وجہیں نقل کی ہیں، جو مذکورہ توجیہ سے زیادہ بہتر اور لطیف ہیں، ان کے خیال میں یہ تشبیہ صرف دو اعتبار سے ہے، پہلی توجیہ تو وہی ہے جسے علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور دوسری توجیہ جو بڑی لطیف ہے، وہ یہ ہے کہ جب گھنٹی بجتی ہے تو اس کی آواز کی سمت متعین کرنے میں دشواری و پریشانی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر سمت اور جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ کلام متکلم ہی کی حیثیت کے مطابق اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اور گھنٹوں کی آواز سے تشبیہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس کے کلام کا نزول ہو رہا ہے، وہ بھی اسی طرح جہت و سمت اور مکان سے منزہ و مبرا ہے۔[3]

غرض وحی کی یہ صورت آپ ﷺ پر سب سے زیادہ سخت ہوا کرتی تھی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ:

((هُوَ اَشَدُّهٗ عَلَيَّ)).[4]

---

① ملاحظہ ہو عمدۃ القاری ۱/۴۷

② دیکھئے فتح الباری ۱/۲۰، ط: بیروت لبنان، الاتقان ۱/۱۲۸۔

③ فیض الباری ۱/۲۰-۱۹

④ بخاری ۱/۲ ط: بیروت

اور یہ سختی اتنی زیادہ ہوتی کہ آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو سخت ٹھنڈک کے موسم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی، اسی حدیث کے آخر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا)).[1]

"میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی۔"

وحی کی اس کیفیت میں بعض دفعہ اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر ہوتے تو جانور "وحی" کے بوجھ کی تاب نہ لا کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانو مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھے ہوئے تھے کہ "وحی" کا نزول شروع ہو گیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یوں محسوس ہونے لگا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیا کرتی تھی۔[2]

خدا سے ہم کلامی

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی براہِ راست خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، لیکن یہ واقعہ صرف "معراج" کے موقع پر پیش آیا، اور نماز فرض کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔[3]

خواب میں نزول وحی

ان صورتوں کے علاوہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے خواب میں بھی نزول وحی کی بات کہی ہے

---

① بخاری ۲/۱، ط: بیروت

② بخاری ۱۹۶، فی التفسیر عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دیکھئے: زاد المعاد ۱/۸۰-۷۹

③ دیکھئے: الاتقان: ۱/۱۲۸، ط: بیروت، زاد المعاد: ۱/۸۰

اور سورہ "کوثر" کو انہوں نے اس قسم کی وحی میں شمار کیا ہے، جو خواب میں نازل ہوئی ہے۔ ①

نزول وحی کے مذکورہ طریقوں کے علاوہ بھی نزول وحی کے متعدد طریقے ہیں، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کل چھیالیس شکلیں نزول وحی کی ذکر کی ہیں۔ ② واللہ اعلم بالصواب

وحی کی قسمیں زمان ومکان کے اعتبار سے

محققین علماء نے زمان ومکان کے اعتبار سے وحی کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں، اور اس کے جاننے کو ضروری قرار دیا ہے، حتیٰ کہ امام ابوالقاسم حسن بن محمد بن حبیب نیساپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایسے شخص کے لئے قرآن کریم کے سلسلہ میں گفتگو اور کلام کو ہی ناجائز قرار دیا ہے، جو قرآن کریم کی ترتیب نزول کا علم نہ رکھتا ہو، چنانچہ آپ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "اَلتَّنْبِیْهُ عَلٰی فَضْلِ عُلُوْمِ الْقُرْآنِ" میں رقم فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ یَعْرِفْهَا وَلَمْ یُمَیِّزْ بَیْنَهَا لَمْ یَحِلَّ لَهٗ اَنْ یَتَکَلَّمَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی. ③

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک طائرانہ نظر نزول قرآن کی قسموں پر بھی ڈال لی جائے۔

مکی ومدنی

وہ آیات وسور جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، ان کو عام طور پر مکی کہا جاتا ہے، لیکن کسی بھی آیت یا سورہ کے مکی و مدنی ہونے کے بارے میں علماء محققین نے تین اقوال ذکر کئے ہیں، جس سے کسی بھی آیت کے مکی و مدنی ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

① جو آیات وسور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، جو آیات وسور ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، خواہ وہ مکہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں، چنانچہ

---

① حوالہ سابق

② فتح الباری ۱/۲۰، ط: بیروت

③ دیکھئے: الاتقان ۱/۲۷، ط: بیروت

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاتقان" میں اس ضمن میں ایک اثر نقل کی ہے۔

((مَا نَزَلَ بِمَكَّةَ وَ مَا نَزَلَ فِي طَرِيقِ الْمَدِينَةِ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ فَهُوَ مِنَ الْمَكِّيِّ وَ مَا نَزَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي أَسْفَارِهِ بَعْدَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَهُوَ مَدَنِيٌّ)).[1]

"یعنی جو آیات وسور جو مکہ میں نازل ہوئیں، اور جو مدینہ کے راستہ میں آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئیں، وہ مکی ہیں اور جو سورتیں مدینہ آنے کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، خواہ سفر ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔"

اس اثر کے نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے کہ اس اثر میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ جو آیات سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں، وہ بھی اصطلاحاً مکی کہی جائیں گی۔[2]

② جو آیات وسور مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، چاہے ہجرت کے بعد ہوں یا پہلے۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اسفار میں نازل ہوئیں، وہ آیات اور سورتیں نہ مکی ہیں اور نہ ہی مدنی اس قول کی دلیل حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کی طبرانی نے تخریج کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ فِي ثَلَاثَةِ أَمْكِنَةٍ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَالشَّامِ)).[3]

"قرآن کریم تین مقامات پر نازل ہوا مکہ، مدینہ اور شام۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ شام سے مراد تبوک ہے۔[4] اور ظاہر ہے کہ مکہ

---

① الاتقان ۱/۲۸، دیکھیے: فتح الباری ۹/۵
② طبرانی بحوالہ الاتقان ۱/۲۸
③ الاتقان ۱/۲۸، بحوالہ طبرانی الکبیر
④ ابن کثیر

مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے علاقے بھی انہیں شہروں میں داخل ہوں گے مثلاً منیٰ، عرفاتؒ، حدیبیہ، بدر، اُحد، سلع وغیرہ جو مکہ مدینہ کے علاقے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی کہتے ہیں:

((قُلْتُ يَدْخُلُ فِيْ مَكَّةَ ضَوَاحِيْهَا كَالْمُنَزَّلِ بِمِنًى وَ عَرَفَاتٍ وَالْحُدَيْبِيَّةِ وَفِي الْمَدِيْنَةِ ضَوَاحِيْهَا كَالْمُنَزَّلِ بِبَدْرٍ وَ اُحُدٍ وَسَلْعٍ)).[1]

③ وہ آیات و سور جن میں اہل مکہ سے خطاب ہے، وہ مکی ہیں اور جن میں اہل مدینہ کو مخاطب کیا گیا ہے، وہ مدنی ہیں۔[2]

آیاتِ قرآنی میں مکی و مدنی کے علاوہ محققین علماء نے کچھ اور تقسیم زمانہ کے اعتبار سے بھی کی ہے مثلاً

حضری: یعنی وہ آیات و سور جو آپ ﷺ پر آپ کے وطن میں نازل ہوئیں اکثر و بیشتر قرآنی آیات اسی قسم کی ہیں۔

سفری: وہ آیات ہیں جو آپ ﷺ پر حالت سفر میں نازل ہوئیں مثلاً ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرہ:۱۲۵) یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں نازل ہوئی، اس کے علاوہ بھی بہت ساری آیتیں سفر میں نازل ہوئی ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاتقان میں ان آیات کو جمع کیا ہے، جن کی تعداد چالیس ہے۔[3]

نہاری:

وہ آیات ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں، اکثر آیات دن ہی میں نازل ہوئی ہیں، چنانچہ علامہ ابن حبیب فرماتے ہیں:

((نَزَلَ اَكْثَرُ الْقُرْاٰنِ نَهَارًا)).[4]

لیلی: وہ آیات ہیں جو رات میں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، جیسے سورۂ مائدہ کی آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:۶۷) یہ آیت آپ ﷺ پر رات کے وقت نازل

---

① الاتقان ۱/۲۸ ② حوالہ سابق
③ دیکھئے: الاتقان ۱/۵۳ ④ الاتقان ۱/۶۰

ہوئی اور اسی آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے پہرے دار ہٹا دیے۔ چنانچہ امام ترمذی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

(۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحْرَسُ حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ فَأَخْرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَأْسَهُ، مِنَ الْقُبَّةِ فَقَالَ لَهُمْ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ انْصَرِفُوْا فَقَدْ عَصَمَنِي اللّٰهُ.[①]

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حضرت عصمہ بن مالک الخطمی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے، جس سے رات میں نزول کی صراحت معلوم ہوتی ہے۔[②]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید ایک درجن مثالیں ذکر کی ہیں۔[③]

صیفی

یعنی وہ آیات جو گرمی کے زمانے میں نازل ہوئیں، مثلاً سورہ نساء کی آخری آیت

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء:۱۷۶)

حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق گرمی میں نازل ہوئی تھی، اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں، اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جتنی آیتیں نازل ہوئیں وہ سب صیفی ہیں مثلاً:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدہ:۳)

شتائی

وہ آیات ہیں جو موسم سرما میں نازل ہوئیں مثلاً سورۂ نور کی یہ آیت:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ..... الخ﴾ (النور:۱۱) وغیرہ۔[④]

جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی تردید کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں

---

① ترمذی ۵/۲۳۷، رقم الحدیث ۳۰۴۶، دیکھیے: تحفۃ الاحوذی ۸/۳۶۶، کشاف ۱/۵۱۴

② الاتقان ۱/۶۱ ③ الاتقان ۱/۳۶-۶۱

④ تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان ۱/۶۴

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ [1] اسی طرح غزوہ خندق کے بارے میں سورۂ احزاب کی آیتیں بھی شتائی ہیں کیونکہ اس غزوہ کا موسم سرما میں ہونا بہت ساری روایات سے ثابت ہے۔ [2]

فراشی

وہ آیات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حال میں نازل ہوئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک پر تھے، چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:٦٧) اسی حالت میں نازل ہوئی۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مزید دو مثالیں ذکر کی ہیں۔ [3]

نومی

بعض علماء کا خیال ہے کہ آیات کی ایک قسم "نومی" بھی ہے، یعنی وہ آیات جو حالت نیند میں نازل ہوئیں، اور اس کی مثال سورۂ کوثر ہے، جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

((بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَظْهُرِنَا اِذْغَفَا اِغْفَاءَةً ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَتَبَسَّمَ، فَقُلْنَا: مَا اَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ: اُنْزِلَ عَلَيَّ اٰنِفًا سُوْرَةٌ فَقَرَاَ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝﴾ (سورۃ الکوثر) [4]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے کہ جھونکا آپ پر آیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور مسکرانے لگے، تو ہم لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کس بات نے ہنسایا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی ایک سورہ مجھ پر نازل ہوئی، پھر آپ نے پڑھا:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝﴾ (سورۃ الکوثر)

---

[1] بخاری [2] الاتقان ۱/۶۵ [3] الاتقان: ۱/۶۶ [4] حوالہ سابق

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ نیند کا کوئی جھونکا نہیں تھا بلکہ یہ ایک کیفیت تھی جو عام طور پر نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری ہوتی تھی، چنانچہ اسی خیال کا اظہار امام رافعی نے کیا ہے، اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی علامہ رافعی کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ چنانچہ رقم فرماتے ہیں:

((بَلْ نَقُوْلُ : نَزَلَتْ تِلْكَ الْحَالَةَ لَيْسَ الْإِغْفَاءُ إِغْفَاءَ نَوْمٍ بَلْ حَالَةَ الَّتِيْ كَانَتْ تَعْتَرِيْهِ عِنْدَ الْوَحْيِ)).[1]

"بلکہ ہمارا خیال ہے کہ ایسی حالت میں نازل ہوئی جو نیند کا جھونکا نہیں تھا بلکہ وہ حالت تھی جو عام طور پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی ہے۔"

غرض کہ وحی کی یہ قسم (نومی) صحیح معتبر قول کے مطابق مصحف میں نہیں پائی جاتی۔

سماوی:

وہ آیات جو شبِ معراج میں آسمان پر ہی نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں صرف ایک روایت ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات معراج کی شبِ سدرۃ المنتہٰی کے قریب نازل ہوئیں۔[2]

فضائی:

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے چند آیتیں ایسی بھی ذکر کی ہیں جو نہ زمین پر نازل ہوئیں اور نہ آسمان پر، ان کا کہنا ہے کہ سورہ صافات کی آیت ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ اور سورہ زخرف کی آیت ﴿وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ﴾ (الزخرف:۴۵) ایسی ہی آیتیں ہیں جو فضا میں نازل ہوئیں، لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی۔[3] اور واقعہ یہی ہے کہ اس کا ثبوت نہیں۔

وحی متلو اور غیر متلو:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی وہ دو طرح کی ہیں:

ایک تو خود قرآن کریم جس کے الفاظ اور معنی و مفہوم دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئی ہیں کہ قیامت تک اس میں کسی طرح کا

---

①، ②، ③ الاتقان ۱/۶۷

ردّ و بدل اور تبدیلی ممکن نہیں، اس کا ایک شوشہ، ایک حرف، ایک نقطہ بھی نہیں بدلا جا سکتا، اسی وحی کو علماء "وحی متلو" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ وحی جس کے الفاظ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

دوسری قسم اس وحی کی ہے جو قرآن کریم کا جزء نہیں ہے لیکن اسلام نے بیشتر احکام امت مسلمہ کو اس کے ذریعہ دیئے ہیں، یعنی حدیث نبوی، اس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے الفاظ کی تلاوت نہیں کی جاتی، عام طور پر قرآن کریم میں اسلام کے اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفاء کیا گیا ہے، اور اس کی جزوی تفصیل اور جزوی مسائل وحی غیر متلو کا حصہ ہیں۔ جس کے مضامین تو من جانب اللہ ہیں پر الفاظ آپ ﷺ کے ہیں اور اس کا ثبوت خود قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ۳-۴)

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)).

اس لئے جو شخص بھی خود کو مسلمان کہتا ہے، اور اپنے اسلام کا مدعی ہے اس پر لازم ہے کہ وحی متلو (قرآن) کی طرح وحی غیر متلو (احادیث) پر بھی ایمان رکھے اور اس کے ذریعہ دیئے گئے احکام کو واجب العمل مانے۔

اثبات وحی ورسالت ﷺ

نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات اہل مکہ ہی نہیں بلکہ عرب کے لئے بھی کوئی اجنبی ذات نہیں تھی، آپ ﷺ کی شخصیت ان کے لئے جانی پہچانی اور آزمائی ہوئی تھی۔ عرب کا بچہ بچہ آپ ﷺ سے آپ کی صداقت و امانت اور دیانت وراست گوئی کی وجہ سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے نوازا تھا یہی نہیں بلکہ عرب نے سال دس سال نہیں بلکہ پورے چالیس سال تک آپ کے روز و شب کو دیکھا تھا، اس طویل مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔ جس کی تعلیم و تربیت اور صحبت کے ثمرہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ہی علوم و معارف کے چشمے آپ کی زبان مبارک سے جاری ہو گئے ہوں، اور اس کے سوتے آپ کے قلب اطہر

سے پھوٹ پڑے ہوں، اور نہ ہی یہ دیکھنے میں آیا کہ آپ نے ان مسائل میں دلچسپی لی ہو ان مباحث پر گفتگو اور ان خیالات ونظریات کا اظہار کیا ہو، حد تو یہ ہے کہ عزیز ترین دوست قریبی رشتہ دار نے ان چالیس سالوں میں کوئی ایسی حرکت نہ محسوس کی جسے اس عظیم دعوت کی تمہید کہا جا سکے۔ جس کی تبلیغ واشاعت آپ ﷺ نے چالیسویں سال میں کرنی شروع کر دی۔ یہ اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا خواہ قرآن کریم کی شکل میں ہو یا احادیث مبارکہ کی صورت میں، وہ آپ کے اپنے قلب ودماغ کی اپج اور پیداوار نہیں، بلکہ الہام خداوندی اور منشاء ایزدی تھا۔

﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾ (القصص: ۴۴-۴۶)

"اور آپ مغربی جانب میں موجود نہ تھے، جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پیغام دیئے تھے، اور آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو موجود تھے، لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں، اور آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والے نہ آئے، کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول ہو جائے۔"

ان آیات کی تفسیر پر غور کیا جائے تو بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی رسالت من جانب اللہ ہے اور آپ بھی اللہ کے رسول ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ کیونکہ قطعی خبر کے لئے علم قطعی ضروری ہے اور علم قطعی کا حصول صرف چار چیزوں میں منحصر ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اپنے اچھوتے انداز میں

کچھ اس طرح اثبات کرتے ہیں:

"اور لوگ پھر محتاج تجدید ہدایت ہوئے تو اپنی سنت مستمرہ کے موافق ہم نے آپ ﷺ کو رسول بنایا، جس کے دلائل میں سے ایک یہی واقعہ موسویہ کی یقینی خبر دینا ہے کیونکہ قطعی خبر دینے کے لئے کوئی طریق علم کا "ہونا" ضروری ہے، وہ طریق منحصر ہے چار میں، امور عقلیہ میں عقل، موسویہ واقعہ امور عقلیہ میں سے تو ہے نہیں، اور امور نقلیہ میں یا سماع اہل علم سے جو کہ دوسرا طریق ہے، سو یہ بھی بوجہ عدم مخالطت و عدم مدارست اہل اخبار کے منتفی ہے یا اپنا مشاہدہ جو کہ تیسرا طریقہ ہے۔ سو اس کی نفی نہایت ہی اظہر ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ آپ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے تھے (یعنی تورات دی تھی) اور وہاں خواص تو کیا موجود ہوتے آپ تو ان لوگوں میں سے بھی نہ تھے، جو اس زمانے میں موجود تھے۔ پس احتمال مشاہدہ کا بھی نہ رہا لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں۔ پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا، جس سے پھر علوم صحیحہ نایاب ہو گئے اور پھر لوگ محتاج ہدایت ہوئے اور گو درمیان درمیان انبیاء علیہم السلام آیا کئے مگر ان کے علوم بھی اسی طرح نایاب ہوئے، اس لئے ہماری رحمت مقتضی ہوئی کہ ہم نے آپ ﷺ کو وحی و رسالت سے مشرف فرمایا جو کہ چوتھا طریق ہے، خبر یقینی کا، اور دوسرے طریق علم ظنی کے ہیں جو مبحث ہی سے خارج ہے، کیونکہ آپ کی یہ خبریں بالکل یقینی اور قطعی ہیں حاصل یہ کہ علم یقینی کے چار طریقے ہیں اور تین منتفی ہیں۔ پس چوتھا متعین اور یہی مطلوب ہے۔ اور (جیسے آپ نے عطاء تورات کا مشاہدہ نہیں کیا اور صحیح و یقینی خبر دے رہے ہیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ نہیں فرمایا چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ اہل مدین میں قیام پذیر نہ تھے، کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری آیتیں (اپنے) ان (معاصر) لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں (کہ

رسول بنا کر یہ واقعات وحی سے بتلا دیئے) اور (اسی طرح) آپ طور کی جانب (غربی مذکور) اس وقت بھی موجود نہ تھے، جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پکارا تھا ﴿یٰمُوسٰۤی اِنِّیۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ﴾ (القصص) جو کہ ان کو نبوت عطاء ہونے کا وقت تھا) لیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا کیا عجب نصیحت قبول کرلیں۔ [1]

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ﴾ کے ضمن میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے نہایت ہی قیمتی اور مفید تفسیری نوٹ کا اضافہ کیا ہے جس کا یہاں ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

"یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی ﴿اِنِّیۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے، یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے آپ کو ان واقعات وحقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی طرح کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا گویا "جبل النور" جہاں "غارِ حرا" ہے اور مکہ مدینہ میں "جبل طور" اور "مدین" کی تاریخ دُہرادی گئی۔" [2]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے اس چشم کشا تفسیری فوائد کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وحی الٰہی کے ناقدین کو سمجھنا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول کوئی انوکھا واقعہ اور نئی بات نہیں ہے بلکہ آپ سے پہلے بھی دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار صادق ترین انسانوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انہوں نے بھی اسی ایک صداقت و حقیقت کو پیش کیا ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے پیش کیا تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

① بیان القرآن ۱۱۹/۱-۱۱۰

② تفسیر عثمانی ص۵۲۳، سورۃ القصص

﴿ اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ ﴾ (النساء: ۱۶۳)

پھر کسی انسان پر وحی کا نزول یا بالفاظ دیگر بالواسطہ یا بالواسطہ خدا سے ہم کلامی عقل کی نظر میں بھی مستبعد نہیں، چنانچہ اس سائنٹفک دور میں تو نزول وحی کی حقیقت اور بھی قابل اعتماد ہوگئی ہے، اور خاص کر وہ لوگ جو عمل تنویم یا ہپناٹا ئزم پر اعتقاد رکھتے ہیں، کے لیے مان لینا اور بھی آسان ہو گیا ہے، کیونکہ عمل تنویم یا ہپناٹا ئزم کے ذریعہ بھی ایک انسان دوسرے انسان پر خیالی تصرف کرتا ہے، اور اپنی بات اس کے دل میں بلاواسطہ ڈال دیتا ہے۔

چنانچہ اس کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے:

"اگر تنویم کا عمل ذرا ہلکا ہو تو معمول اس لائق رہتا ہے کہ وہ مختلف اشیاء کا تصور کر سکے، مثلاً اس حالت میں یہ ممکن ہے کہ وہ (عامل کی ہدایت کے مطابق) اپنے آپ کو کوئی اور شخصیت یقین کر لے، اسے کچھ خاص چیزیں (جو وہاں فی الواقع موجود نہیں ہیں) نظر آنے لگیں، یا وہ غیر معمولی حس اپنے اندر محسوس کرنے لگے اس لئے کہ وہ عامل کی ہدایت کا تابع ہو جاتا ہے۔"[1]

غرض کہ سحر یزم ہو، ہپناٹا ئیزم، یا عمل تنویم اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک آدمی دوسرے انسان کو مسخر کر کے اپنے خیالات اور اپنے نظریات اور اپنی باتیں اس کے دل و دماغ میں ڈال دیتا ہے پھر وہ شخص اس عمل کی وجہ سے اسی آدمی کے تابع ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جس خدا نے ایک انسان کو تصور خیالی بالفاظ دیگر عمل تنویم میں اتنی قوت دی ہے کہ وہ معمولی معمولی مقاصد کے لئے بلکہ بعض اوقات بالکل ہی بیکار باتوں کے لئے دوسرے کے قلب و دماغ پر قابض ہو جاتا ہے تو کیا وہ خود اس امر پر قادر نہیں کہ خود ایک نبی کے قلب کو مسخر کر کے اپنا کلام اس میں ڈال دے اور اس طرح ضلالت و گمراہی میں بھٹکتے ہوئے لوگوں کی ہدایت اور انسانیت کی راہنمائی کا سامان مہیا کرے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ○

---

① The word Faimly Encyclopedia 1957، بحوالہ علوم القرآن ص ۴۷۔

سب سے پہلی وحی؟

محققین علماء نے اس موضوع کو بھی خاص اہمیت دی ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی کون سی ہے؟ اور سب سے پہلی سورت یا آیت کون سی ہے؟ اس سلسلہ میں راجح ترین اور محقق بات یہ ہے کہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیتیں سورہ علق کی ابتدائی آیتیں ہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سند سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ پر سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝﴾ (العلق) ہے۔[1]

دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ مدثر ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ مغالطہ ہوتا ہے، لیکن غور کیا جائے تو خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نہیں بلکہ سورہ علق ہی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

((عَنِ الزُّهْرِيِّ فَأَخْبَرَنِيْ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَ هُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ، فَقَالَ: فِيْ حَدِيْثِهٖ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ إِذْ سَمِعْتُ مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَنِيْ بِحِرَاءَ، جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَدَثَّرُوْنِيْ فَنَزَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ إِلٰى وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، قَبْلَ اَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَ هِيَ الْاَوْثَانُ، قَوْلُهٗ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ يُقَالُ الرُّجْزُ وَالرِّجْسُ الْعَذَابُ)).[2]

---

[1] بخاری ۱/۳ رقم الحدیث ۳، نیز بخاری کتاب التفسیر
[2] بخاری کتاب التفسیر ۲۲۶-۳۲۱، ط: بیروت

"امام زہری سے مروی ہے وہ سلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فترت وحی کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن میں چل رہا تھا کہ ایک آواز آسمان سے سنائی دی میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے تو میں بہت گھبرا گیا اور گھر لوٹ آیا اور کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، چنانچہ مجھے کمبل اُوڑھا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ①﴾ (المدثر)۔"

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ نزول "وحی" کا پہلا واقعہ نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے بھی فرشتہ "وحی" لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آچکا تھا۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد فرمانا ((فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَنِيْ بِحِرَاءَ)) خود اس بات کی دلیل ہے، اور رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت سورہ مدثر ہے، تو وہ علماء کے نزدیک مؤوّل ہے اور علماء سے اس کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ہوسکتا ہے کہ اس روایت سے مراد یہ ہو کہ فترۃ کے بعد نازل ہونے والی پہلی سورہ "سورہ مدثر" ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہ ہو بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہو، یعنی ان کے خیال میں سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ "سورہ مدثر" ہو۔ مشہور محدث علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی بات میرے نزدیک زیادہ راجح اور درست ہے:

اِنَّهٗ اِجْتِهَادٌ مِنْ جَابِرٍ وَلَيْسَ مَرْفُوْعًا وَهُوَ الْاَصْوَبُ عِنْدِيْ۔ ①

اور اسی کے قائل علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جیسا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ ②

---

① فیض الباری ۱/۲۵ ② فتح الباری ۸/۷۷۸

لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی تاویل کو بھی مستحسن قرار دیا ہے، ان کے علاوہ متعدد تاویلیں علماء سے منقول ہیں جس کا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ ①

سورہ اقراء کے نزول کی حکمت اور اسلام کا پیغام؟

ظہورِ اسلام اور بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پوری دُنیا خاص کر عرب کا کیا حال تھا؟ یہ اہل علم و دانش اور تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے لوگوں کی نظروں سے بھی اوجھل نہیں ہے، چوری، زنا، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، حرام خوری، ظلم و زیادتی، تکبر اور خاندانی عصبیت حتیٰ کہ اپنی لاڈلی اور معصوم بیٹی کو زندہ درگور کردینا بھی ان لوگوں کے لئے کوئی اہمیت کی بات نہ تھی، جس زیادتی کا شاہد خود قرآن کریم ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۞ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۞﴾ (التکویر)

غرض کہ کون سی برائی تھی جو ان میں نہیں پائی جاتی تھی پھر اس ماحول میں اور ایسی حالت میں "اِقْرَاْ" یعنی پڑھنے، کا حکم کچھ عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر اس پر غور کیا جائے اور گہری نظر ڈالی جائے تو خدا کی عظیم حکمت وحی کے نزول کی ابتداء میں پوشیدہ نظر آتی ہے، یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہر طرح کے بگاڑ کا سرچشمہ جہالت ہے اور تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اساس علم و معرفت ہے، علم آئے گا تو خود بخود برائیوں کی گھٹائیں چھٹ جائیں گی، اس آیت کے نزول میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ اُمی تھے) دُنیا کے سب سے بڑے معلم اور مربی ہوں گے، اور مذہب اسلام دُنیا میں تعلیم کا سب سے بڑا علمبردار ہوگا اور تعلیم ہی دُنیا کی سب سے بڑی نعمت و دولت ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ پر جو تفسیری نوٹ ہے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے:

> "حاصل یہ ہے کہ امر اوّل ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ سے مقصودیت قید کا شبہ نہ کیا جائے، بلکہ خود (قراۃ) تعلیم بھی فی نفسہا مقصود ہے، کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ بھی قرأت

---

① الاتقان ۱/۷۲-۶۹، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ذکر کئے ہیں دیکھئے: الاتقان ۱/۷۲-۶۹

(تعلیم) ہے اور تبلیغ ہی اصل کام صاحب وحی کا ہے۔"[1]

الغرض سورہ اقرأ کے نزول میں یہی حکمت ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود اور کامیابی و کامرانی کے لئے تعلیم ضروری ہے، اور انسانیت کی نجات کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم اور اس کے حفظ کی فضیلت

وحی الٰہی کے سلسلے میں اس مختصر سی بحث کے بعد مقصود سے پہلے مناسب خیال ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے کچھ فضائل اور مسائل بیان کر دیئے جائیں۔ چنانچہ علماء کا متفقہ قول ہے کہ قرآن کے اتنے حصہ کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہو جائے فرض عین ہے۔ اور پورے قرآن کریم کا حفظ فرض کفایہ ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی آبادی میں ایک بھی حافظ نہ ہو تو پوری آبادی کے مسلمان گنہگار ہوں گے، اتنا ہی نہیں زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ کسی شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پڑھنے والا نہ ہو تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ یہ تو بہت بڑی بات ہوگی اور بڑی ہی ضلالت و گمراہی کا سبب ہوگا کہ حفظ قرآن کو فضول سمجھا جائے، اس کے الفاظ کے رٹنے کو حماقت بتلایا جائے یا اس کو دماغ سوزی یا تضیع اوقات سے تعبیر کیا جائے (اللہ ہمیں محفوظ رکھے) قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی اور اس کے حفظ کی فضیلت میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔ امام بخاری وغیرہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث نقل کی ہے:

((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ)).[2]

"کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حافظ قرآن سے کہے گا کہ تم پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ اور جنت میں تمہیں وہی مقام نصیب ہوگا جہاں تمہاری تلاوت ختم ہو جائے گی۔"[3]

---

① بیان القرآن ۱۲/۱۰۹ ② بخاری ۵۰۲۸-۵۰۲۷ ③ ترمذی حدیث نمبر ۲۹۱۴

قرآن کریم کے حفظ کی برکت کا مظہر قیامت کے دن اس انداز میں بھی دیکھنے کو ملے گا کہ اللہ تعالیٰ حفاظ کرام کے اعزاز واکرام اور ان کے مراتب کے اظہار کے لئے ان کے والدین کی تاج پوشی کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَ عَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْئُهُ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّهُ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا)).

"آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود اس عمل کو انجام دینے والا ہو۔"

اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کیونکر گوارہ ہوسکتا تھا کہ اس کے کلام کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے والا آدمی جنت میں مزے اڑائے، اور اس کے اہل خانہ جہنم کا عذاب بھگتیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ قرآن کو اجازت دے گا کہ وہ اپنے گھر والوں میں سے ان دس لوگوں کی شفاعت کرے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے اور اس کی سفارش قبول کرے گا۔ چنانچہ صادق ومصدوق ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ)).[1]

"جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اس کے گھر میں سے ان دس آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا مشاہدہ کیجئے کہ اس ذاتِ ذوالجلال نے اپنی رحمتوں کی

[1] ابن ماجہ

بارش صرف انہیں لوگوں کے لئے مخصوص نہیں کر دی جنہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا ہے بلکہ اس کی رحمت واسعہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو کلام الٰہی کو دیکھ کر ہی پڑھتے ہیں، چنانچہ اپنے محبوب نبی کی مبارک زبان سے یہ اعلان کروا دیا اور مژدہ سنایا کہ

قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَ قِرَأَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰى ذَالِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ))۔[1]

"کسی آدمی کا زبانی تلاوت کرنا ایک ہزار درجہ ثواب کا باعث ہے تو قرآن دیکھ کر پڑھنا دو ہزار درجہ ثواب کے برابر ہے۔"

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہوگی، ان لوگوں کے لئے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے، جو دیکھ کر پڑھنے میں قرآن کریم میں زیادہ غور و خوض اور تدبر و تفکر سے کام لے سکتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے زبانی پڑھنا افضل ہوگا جن کے لئے زبانی ہی پڑھنے میں غور و فکر کرنا آسان ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رائے کو پسند کیا ہے۔ ان احادیث کے علاوہ بھی متعدد روایتیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے قرآن کریم کی فضیلت اور حفظ قرآن کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ غرض قرآن کریم کا حفظ اور اس سے شغف باعث ثواب اور موجب رحمتِ خداوندی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

قرآن کریم کے سات حروف؟

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَقْرَأَنِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِيْدُهُ وَ يَزِيْدُنِيْ حَتّٰى اِنْتَهٰى اِلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ))۔[2]

"کہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے مجھے ایک حرف (ایک قرأت) کے مطابق

---

[1] بیہقی شعب الایمان

[2] بخاری ۲/۷۴۷، باب انزل القرآ علی سبعة احرف رقم الحدیث: ۴۹۹۱

پڑھایا، پھر میں نے ان سے مراجعت کی اور برابر زیادتی قرأت کا میرا مطالبہ جاری رہا، حتیٰ کہ سات حروف (قرأت) پر جا کر ختم ہوا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب کے تحت ایک طویل حدیث اس طرح ں کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے حضرت ابن حکیم رضی اللہ عنہ کو قرأت کرتے ہوئے سنا، تو انہیں خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح پڑھایا، یہ اس طریقہ پر نہیں پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے استفسار کیا کہ تمہیں اس طرح کس نے پڑھایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے، مجھے تو اس طرح نہیں پڑھایا، پھر میں ابن حکیم کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں ہی کی قرأت سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

((كَذَالِكَ اُنْزِلَتْ)).

"ایسے ہی قرآن نازل ہوا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)).[1]

"یعنی یہ قرآن سات حروف کے مطابق نازل کیا گیا ہے تمہیں جیسی سہولت ہو پڑھو۔"

مذکورہ دونوں حدیثوں کے علاوہ بھی اصحاب حدیث نے متعدد ایسی روایتیں نقل کی ہیں، جن میں سات حروف کا ذکر آیا ہے اور اکیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے جن میں ابی بن کعب، انس، حذیفہ، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان، عمر بن خطاب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کے نام قابل ذکر ہیں۔[2] رواۃ کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے مشہور محدث امام ابوعبید قاسم بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((اَقُوْلُ: رَوٰى اَحَدٌ وَ عِشْرُوْنَ صَحَابِيًّا حَدِيْثَ نُزُوْلِ الْقُرْآنِ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ حَتّٰى نَصَّ اَبُوْ عُبَيْدٍ عَلٰى تَوَاتُرِهٖ)).[3]

---

① بخاری ۷۴۷/۱ [illegible] ② [illegible] ۲۰/۱ ③ حوالہ سابق

"سبعہ احرف کے متعلق نزول قرآن کی روایت اکیس صحابیوں سے مروی ہے حتیٰ کہ ابو عبید نے اس کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے۔"

علامہ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ فن قرأت کے معروف امام علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کیا ہے، اور ان کے حسب بیان یہ حدیث مذکورہ صحابیوں سے مروی ہے، ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر سے اعلان کیا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہوگئی جن کا شمار مشکل تھا۔ [1]

حروفِ سبعہ کا مفہوم؟

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا لیکن سات حروف سے کیا مراد ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ایک ہے اور یہ ایسی معرکۃ الآراء اور دقیق بحث ہے جس میں محققین علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہاں ہمارے لئے ان مباحث کا احاطہ ممکن نہیں اس لئے اس سے متعلق ضروری باتیں پیش خدمت ہیں:

اس حدیث میں سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سات حروف پر قرآن کریم کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کرام کے نظریات اور ان کی آراء میں شدید اختلاف ملتا ہے، ابو حاتم بن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے پینتیس اقوال لکھے ہیں، جبکہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی کے مقدمے میں سات اقوال ذکر کئے ہیں، جو مختصراً یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

① یہ ایسا مشکل ترین معاملہ ہے جس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔
② اس سے مراد قراءتیں ہیں، لیکن سات کے لفظ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد کثرت ہے، اور عربی زبان میں سات کا لفظ محض کسی چیز کی کثرت کو بیان

---

① فتح الباری ۹/۲۶

کرنے کے لئے اکثر استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس حدیث کا مقصد یہ نہیں کہ قرآن کریم متعدد طریقوں سے نازل ہوا، متقدمین علماء میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے[1] اور علماءِ ہند میں مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ لیکن یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث:

((اِنَّ جِبْرَئِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ أَتَیَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرَئِیْلُ عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ مِیْکَائِیْلُ عَنْ یَّسَارِیْ فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ: إِقْرَءِ الْقُرْآنَ عَلٰی حَرْفٍ فَقَالَ مِیْکَائِیْلَ اِسْتَزِدْهُ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ)).[2]

سے معارض معلوم ہوتی ہے، اس لئے درست نہیں ہے، اسی حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے:

((فَأَتَاهُ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُكَ اَنْ تَقْرَأَ اُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰی حَرْفٍ، فَقَالَ: أَسْأَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهٗ وَ مَغْفِرَتَهٗ وَ إِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِیْقُ ذَالِكَ، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِیَةَ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ اُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰی حَرْفَیْنِ، فَقَالَ: أَسْأَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهٗ وَ مَغْفِرَتَهٗ وَإِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِیْقُ ذَالِكَ، ثُمَّ جَاءَهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُكَ اَنْ تَقْرَأَ اُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَحْرُفٍ فَقَالَ: أَسْأَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهٗ وَ مَغْفِرَتَهٗ وَ إِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِیْقُ ذَالِكَ ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةَ: فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ اُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاَیُّمَا حَرْفٍ قَرَأُوْا عَلَیْهِ فَقَدْ اَصَابُوْا)).[3]

"پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ کی (پوری) امت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں،

---

[1] روح المعانی ۱/۲۰
[2] نسائی عن ابی بن کعب بحوالہ فتح الباری ۹/۲۴ نیز دیکھئے روح المعانی ۱/۲۰
[3] مناہل العرفان ۱/۱۳۳

میری امت میں اس کی طاقت نہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کریم کو دو حرف پر پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کریم کو تین حروف میں پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کو سات حروف پر پڑھے۔ پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قرأت درست ہوگی۔"

اس طرح کی روایتوں کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ روایت میں "سبعہ" سے مراد محض کثرت نہیں، بلکہ "سبعہ" کا مخصوص عدد ہے۔ اس لئے ان احادیث کی روشنی میں قاضی عیاض اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول درست نہیں معلوم ہوتا، چنانچہ جمہور نے بھی اس کی تردید کی ہے۔

③ بعض علماء کا خیال ہے کہ "سبعہ احرف" سے مراد سات لغات ہیں، چونکہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے گو کہ ان کی زبان عربی تھی، پھر بھی ہر قبیلے کی زبان دوسرے قبیلوں سے تھوڑی تھوڑی مختلف بھی، اور یہ اختلاف ٹھیک ایسا ہی تھا جیسا کہ بڑی بڑی زبانوں میں قبائل اور علاقے کے لحاظ سے رونما ہوتا رہتا ہے، شاید اسی لئے اللہ نے ان تمام قبائل کی رعایت کرتے ہوئے سات لغات میں پڑھنے کی اجازت دی، تا کہ ہر قبیلہ اسے اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے۔

بعض علماء نے ان سات قبائل کے اسماء یہ ذکر کیے ہیں:

① قریش ② ہزیل ③ تمیم الرباب ④ ازد
⑤ ربیعہ ⑥ ہوازن ⑦ سعد بن بکر

لیکن حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات سے یہ قبائل نقل کئے ہیں:

ہزیل، کنانہ، قیس، ضبحہ، تمیم الرباب، اسد ابن خزیمہ، قریش۔ ①

لیکن ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ قرآن صرف لغت قریش کے مطابق نازل ہوا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهِۦ﴾ (ابراہیم: ۴) ②

ان کے علاوہ بہت سارے محققین مثلاً حافظ ابن عبد البر، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن جزری رحمہم اللہ وغیرہ نے اس قول کی یہ کہتے ہوئے تردید کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے درمیان قراءتوں کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد "سبعۃ لغات" نہیں اس لئے کہ دونوں ہی حضرات قریشی ہیں، پھر ان دونوں حضرات کے درمیان قراءت میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر یہ قول اس لئے بھی کمزور اور ضعیف معلوم ہوتا ہے کہ سات لغات کے لئے انہیں سات قبیلوں کا انتخاب کیوں کیا گیا، اور اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ ترجیح بلا مرجح ہے، جو عقلاً اور اصولاً درست نہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ہشام ابن حکیم رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان قراءت کے اختلاف پر وارد ہونے والے اعتراض کو یہ کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی ہے کہ

"ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے کسی کو لغت قریش کے علاوہ کسی اور لغت میں پڑھایا ہو۔" ③

لیکن اس جواب کا ضعف عیاں ہے، کیونکہ قرآن کریم کے مختلف لغات میں نازل ہونے کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ تمام قبائل والوں کو پڑھنے میں سہولت ہو، اور ہر قبیلہ والا اپنے قبیلے کی لغت کے اعتبار سے بسہولت پڑھ سکے۔ اس لئے یہ بات نبوت کی حکمت اور منصب رسالت سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ آپ ایک قریشی آدمی کو لغت قریش کے علاوہ کسی اور لغت میں قرآن کی تعلیم دیں۔

---

① فتح الباری ۹/۳۷ ② دیکھئے: روح المعانی ۱/۲۱ ③ روح المعانی ۱/۳۲

اس قول کے قائلین پر امام طحاوی کا یہ اعتراض بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث میں "سبعہ احرف" سے مراد سات قبائل کے لغات ہیں، تو یہ اس آیت کے معارض ہوگا جس میں یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ (ابراہیم: ۴)

"اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔"

اور یہ بات مسلم الثبوت ہے اور تاریخی حقائق اور روایات سے ثابت ہے، جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتا، کہ آپ ﷺ قریشی تھے اور آپ کی قوم قریش تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن صرف لغت قریش پر نازل ہوا۔ [1]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس وقت امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے جمع ثانی کا ارادہ کیا اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو اس کام پر مامور فرمایا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ:

((اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِيْ عَرَبِيَّةٍ مِنْ عَرَبِيَّةِ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوْهَا بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّ الْقُرْآنَ اُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا)). [2]

"کہ اگر تمہارا اور زید بن ثابت کا لغت قرآن میں اختلاف ہو جائے تو لغت قریش کے مطابق لکھو، اس لئے کہ قرآن انہیں کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔"

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ قرآن صرف لغت قریش کے مطابق نازل ہوا ہے، پھر اس کے علاوہ اس قول کے قائلین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ "احرف سبعہ" اور "قرأت سبعہ" دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ قرأت کا اختلاف تو آج بھی موجود ہے اور صرف ایک حرف یعنی لغت قریش کے اندر مشہور ہے۔ اور

---

① مشکل الآثار ۱۸۶/۴-۱۸۵، ط: دائرۃ المعارف، دکن حیدرآباد

② بخاری ۲/۷۴۵

باقی حروف یا تو منسوخ ہو گئے یا مصالح کے پیش نظر انہیں ختم کر دیا گیا، اس پر دوسرے اشکالات کے علاوہ کہ پورے ذخیرہ احادیث میں غالباً ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو طرح کے اختلافات تھے ایک "سبعۃ احرف" دوسرے قرأت، بلکہ احادیث میں تو صرف سبعہ احرف کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے، اور قرأت کا کوئی جداگانہ اختلاف بیان نہیں کیا گیا اور اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ "سبعۃ" کی تشریح "سبعہ لغات" سے کمزور معلوم ہوتی ہے۔

④ چوتھا قول یہ ہے کہ "سبعہ احرف" سے مراد سات اصناف ہیں، یعنی قرآن کریم کے احکام کی مختلف صورتیں مثلاً: محکم، متشابہ، ناسخ و منسوخ، عموم و خصوص، قصص وغیرہ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سات اصناف سے مراد اظہار ربوبیت، ترغیب و ترہیب وغیرہ ہے، جب کہ بعض لوگ سات اصناف سے امر و نہی، وعد و عید اور اباحت و ارشاد وغیرہ سمجھتے ہیں۔ بعض لوگوں سے ان کے علاوہ بھی دوسری تشریحات منقول ہیں، غرض کہ اس قول کے قائلین سات اصناف پر تو متفق نظر آتے ہیں، لیکن اصناف کی تشریح میں ہر ایک کی الگ الگ رائیں ہیں اور اس تشریح میں کسی ایک موقف پر اتفاق نہیں ہے، غالباً اسی لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے نقل کرنے کے بعد یہ Remark کیا ہے:

((اَلَا اِنَّهُ لَا مُسْتَنَدَ لَهُ وَلَا وَجْهَ لِلتَّخْصِيْصِ)).[1]

"کہ اس کی کوئی سند نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ تخصیص سمجھ میں آتی ہے۔"

⑤ "سبعۃ احرف" کی تشریح میں ایک قرین قیاس اور دل کو لگنے والا قول امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نازل تو قریش کی لغت میں ہوا، لیکن چونکہ اہل عرب مختلف علاقوں، مختلف قبائل اور خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لئے لغت قریش پر قرآن کریم کی تلاوت دشوار تھی، اسی بناء پر ابتداءً یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی اپنی علاقائی زبان کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کریں اور مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم پڑھ لیا کریں، چنانچہ جن لوگوں کے لئے قرآن کریم کے

① روح المعانی ۲۱/۱

اصلی الفاظ میں تلاوت مشکل تھی، ان کے لئے بذاتِ خود آپ ﷺ نے مرادف الفاظ متعین فرما دیئے تھے، جن سے وہ تلاوت کیا کرتے تھے، یہ مرادفات قریش اور غیر قریش کی لغات سے چن لئے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے ہی تھے جیسے: "تَعَالَ" کی جگہ "هَلُمَّ" یا "اَقْبِلْ" یا "اُدْنُ" پڑھ لیا جائے، معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، گو الفاظ میں تبدیلی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ اجازت اسلام کے صرف ابتدائی دَور میں تھی، لیکن جب اہل عرب قرآن کی زبان سے آشنا اور رفتہ رفتہ عادی بھی ہو گئے اور ان کے لئے اس کی اصل لغت میں قرآن کی تلاوت سہل اور آسان ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آخری دور کیا جسے "عرضہ اخیرہ" کہتے ہیں، اس موقع پر مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا، یعنی لغت قریش پر ہی پڑھنے کی اجازت باقی رکھی گئی۔ [1]

غرض کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق "حروف سبعہ" والی حدیث اسی عہد اور زمانے سے متعلق ہے جبکہ تلاوت میں مرادفات کے استعمال کی اجازت تھی، اور اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف میں نازل ہوا، بلکہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ قرآن کریم اس وسعت سے نازل ہوا کہ ہر قبیلے اور علاقہ کے لوگ حسب سہولت ایک مخصوص مدت تک سات حروف میں پڑھ سکتے ہیں، اور سبعہ احرف سے یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن کے ہر کلمہ میں سات حروف مرادف کے استعمال کی اجازت ہو، بلکہ اس سے مراد ہے کہ حد سے حد مرادفات سات ہی استعمال کر سکتے ہیں، اور وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ انہیں مرادفات کے استعمال کی اجازت ہوگی جس کی تعیین خود آپ ﷺ نے فرما دی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَلَيْسَ الْمُرَادُ اَنَّ كُلَّ كَلِمَةٍ وَ جُمْلَةٍ مِنْهُ تُقْرَأُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ بَلِ الْمُرَادُ اَنَّ غَايَةَ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ عَدَدُ الْقِرَءَاتِ فِى الْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ اِلٰى

---

[1] مشکل الآثار ٤/١٩١-١٨٦، دیکھئے: روح المعانی ١/٢٨

سَبْعَةٍ ؟))۔[1]

امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہ، ابن وہب اور حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہم نے اسی قول کو پسند کیا ہے، اور حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ علیہ نے اسے اکثر اہل علم کا قول بتلایا ہے۔[2]

یہ قول پچھلے تمام اقوال کے مقابلہ میں قرین قیاس ہے اور اس کے قائلین کا مستدل حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

((أَنَّ جِبْرَئِيلَ قَالَ : يَا مُحَمَّدُ اِقْرَإِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ قَالَ مِيكَائِيلُ : اِسْتَزِدْهُ حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ قَالَ : كُلٌّ شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخْلِطْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ رَحْمَةً بِعَذَابٍ نَحْوُ قَوْلِكَ تَعَالَ وَ أَقْبِلْ وَ هَلُمَّ وَ اِذْهَبْ وَ اِسْرَعْ وَ عَجِّلْ))۔[3]

"جبرئیل علیہ السلام نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام نے کہا: اس میں اضافہ کروائیے یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک شافی وکافی ہے، تاوقتیکہ ایک عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کریں، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپ تَعَالَ (آؤ) کے معنی کو هَلُمَّ اور اِذْهَبْ (جاؤ) کے، اِسْرَعْ اور عَجِّلْ کے الفاظ سے ادا کریں۔"

اس قول پر بظاہر کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا، لیکن مشہور محقق مولانا تقی احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ مجھے اس قول میں کچھ اُلجھن محسوس ہوتی ہے، چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

"لیکن ایک اُلجھن اس میں بھی باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی مختلف قرائتیں آج تک متواتر چلی آرہی ہیں، اس قول کے مطابق ان کی حیثیت واضح نہیں

---

[1] فتح الباری ۹/۲۳

[2] فتح الباری ۸/۲۶، دیکھئے: الزرقانی ۲/۱۱، روح المعانی ۱/۲۰، البرهان فی علوم القرآن ۱/۲۲٤

[3] هذا لفظ روایة احمد و اسناده جید - او جز المسالک ۲/۳۵۷، دیکھئے: روح المعانی ۱/۲۰، فتح الباری ۹/۲۶

ہوتی، اگر ان قرائتوں کو سات حروف سے الگ کوئی چیز قرار دیا جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، احادیث کے وسیع ذخیرے میں احرف کے اختلاف کے علاوہ قرآن کے کسی اور لفظی اختلاف کا ذکر نہیں ملتا پھر اپنی طرف سے یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں احرف سبعہ کے علاوہ ایک اور قسم کا اختلاف بھی تھا اس اُلجھن کا کوئی اطمینان بخش حل اس قول کے قائلین کے یہاں مجھے نہیں مل سکا۔"[1]

(۶) "سبعۃ احرف" کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کی تلاوت کی کیفیات ہیں، یعنی ادغام، اخفاء، اظہار، اشباع، وغیرہ لیکن یہ قول کافی کمزور معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس تشریح اور توجیہ کو مان لینے کی صورت میں "سبعۃ احرف" پر قرآن کریم کے نزول کا کوئی بڑا فائدہ سمجھ نہیں آتا ہے۔ چنانچہ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((فَلَيْسَ فِيهِ حِينَئِذٍ جَلِيلُ فَائِدَةٍ)).

وہ اقوال جو یہاں ذکر کئے گئے ہیں ان کے علاوہ بہت سے اقوال علماء سلف سے منقول ہیں، جو خوف طوالت کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں۔

سبعۃ احرف کی صحیح ترین تشریح؟

علماء سلف وخلف کے اقوال اور کتابوں کی مراجعت کے بعد ہمارے نزدیک صحیح ترین اور راجح ترین قول یہ ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد احادیث مبارکہ میں سات قرائتیں ہیں، اور سات حروف کے اختلاف کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ اس سے مراد "اختلاف قرأت" کی سات نوعیتیں ہیں، اگرچہ قرائتیں سات سے زیادہ ہیں لیکن ان میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ صرف سات میں منحصر ہیں (جن کی تفصیل آرہی ہے) غالباً یہ قول متقدمین میں سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے، مشہور مفسر قرآن علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں کہ "احرف سبعۃ" کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب منقول ہے کہ اس سے مراد قرأت میں مندرجہ ذیل سات قسم کے اختلافات ہیں:

---

[1] علوم القرآن ۱۰۶

① مفرد و جمع کا اختلاف، کہ ایک قراءت میں مفرد آیا اور دوسری میں صیغہ جمع، مثلاً تمت كَلِمَةُ رَبِّكَ اور كَلِمَاتِ رَبِّكَ۔

② تذکیر و تانیث کا اختلاف، کہ ایک میں لفظ مذکر استعمال ہوا اور دوسری میں مؤنث مثلاً لَا يُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ۔

③ وجوہ اعراب کا اختلاف، کہ زیر و زبر وغیرہ بدل جائیں جیسے: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ اور غَيْرِ اللهِ۔

④ صرفی ہیئت کا اختلاف کہ ایک میں کسی باب سے استعمال ہوا اور دوسرے میں کسی اور باب سے جیسے يَعْرِشُونَ اور يَعْرُشُونَ۔

⑤ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف جیسے لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ اور لٰكِنِ الشَّيَاطِيْنُ۔

⑥ لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں، جیسے تَعْلَمُوْنَ اور يَعْلَمُوْنَ، نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا۔

⑦ لہجوں کا اختلاف جیسے تخفیف، تفخیم، ادغام، امالہ، مد اور قصر وغیرہ۔ [1]

پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر بن الطیب اور محقق ابن الجزری رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔ [2]

علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ جو قراءت کے مشہور و معروف امام ہیں، اپنا یہ قول بیان کرنے سے قبل لکھتے ہیں:

"میں اس حدیث کے بارے میں تیس سال تک اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صحیح ہوگی۔" [3]

---

① دیکھیے: غرائب القرآن اور رغائب الفرقان، ہامش ابن جریر ۲۱/۱

② ملاحظہ ہو: فتح الباری ۹/۲۹-۲۸، نیز دیکھیے: الاتقان ۱/۲۲۷-۲۲۳، اور قاضی ابوبکر بن الطیب کا قول تفسیر قرطبی ۱/۴۵ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

③ دیکھیے: النشر فی القراءات العشر ۱/۲۶، بحوالہ علوم القرآن ص ۱۰۷

یہ بھی حضرات اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ احادیث میں "سات حروف" سے مراد سات قرائتیں ہیں، لیکن پھر ان کی نوعیتوں کی تعیین میں ان کے درمیان تھوڑا فرق ملتا ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے طور اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق الگ الگ قرأت کا استقراء کیا ہے، لیکن تمام حضرات میں حضرت الامام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا استقراء سب سے مستحکم اور جامع ہے، چنانچہ امام فرماتے ہیں کہ اختلاف قرأت سات اقسام میں منحصر ہیں:

① اسماء کا اختلاف جس میں واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے (جیسے تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ، جو ایک قرأت جمع کے ساتھ تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ آیا ہے)۔

② افعال کا اختلاف، کسی قرأت میں ماضی اور کسی میں صیغہ مضارع اور کسی میں فعل امر استعمال ہوا ہو (اس کی مثلاً: "رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" اور ایک قرأت "بَاعِدْ" کی جگہ بعّد فعل ماضی آیا ہے)۔

③ وجوہ اعراب کا اختلاف کہ اعراب یا حرکات مختلف قرائتوں میں مختلف ہوں (جیسے "وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ" اور ایک قرأت میں لَا يُضَارُّ اور ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ اور ایک قرأت میں ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ آیا ہے)۔

④ الفاظ کی کمی و زیادتی کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری قرأت میں کوئی لفظ زائد ہو، مثلاً ایک قرأت میں "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ہے اور دوسری قرأت میں "وَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ہے، یعنی "مَا خَلَقَ" نہیں ہے۔ اسی طرح ایک قرأت میں "وَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِ الْاَنْهَارِ" اور دوسری میں "تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ" ہے۔

⑤ تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے۔ "وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" اور ایک قرأت میں "وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ" آیا ہے۔

⑥ بدلیت کا اختلاف کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری میں اس کی جگہ دوسرا لفظ

آیا ہوا ہے (جیسے نُنْشِزُھَا اور دوسری قرأت میں نَنْشِرُھَا، نیز فَتَبَیَّنُوْا اور دوسری قرأت فَتَثَبَّتُوْا اور طَلْحٍ اور طَلْعٍ)۔

⑦ لہجوں کا اختلاف، جس میں تفخیم، امالہ، ترقیق، فتح، اظہار، ادغام وغیرہ کے اختلاف شامل ہیں[1] (مثلاً موسیٰ ایک قرأت میں امالہ کے ساتھ ہے اور اسے موسٰی پڑھا گیا اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے)۔

علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابن الجزری اور قاضی ابوبکر ابن طیب رحمۃ اللہ علیہم کی بیان کردہ وجوہ اختلاف بھی اسی سے ملتی جلتی ہیں، لیکن امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا استقراء زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کا اختلاف چھوٹا نہیں ہے، جبکہ ان تین حضرات کے بیان کردہ وجوہ میں ساتواں اختلاف یعنی لہجوں کا اختلاف نہیں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لہجوں کا اختلاف ملتا ہے تو کمی بیشی، تقدم و تاخر اور بدلیت کا اختلاف نہیں ملتا ہے، برخلاف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان کا استقراء ان تمام اختلافات کو جامع اور محیط ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول بڑی اہمیت اور وقعت سے نقل کیا اور کسی طرح کا اعتراض کرنے سے بھی گریز کیا ہے، گویا ان کے نزدیک بھی امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کا استقراء بڑا پسندیدہ ہے۔[2]

اس کے علاوہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان تینوں قولوں میں امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، چنانچہ انہوں نے علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بعد لکھا ہے:

((هٰذَا وَجْهٌ حَسَنٌ))۔ "یہ اچھی توجیہ ہے۔"[3]

جبکہ امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ساتوں وجوہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

((قُلْتُ: وَقَدْ اَخَذَ كَلَامَ ابْنِ قُتَيْبَةَ وَنَقَّحَهُ))۔[4]

---

① فتح الباری ۹/۲۹

② دیکھئے: النشر فی القرأت العشر ۱/۲۸-۲۷، بحوالہ علوم القرآن: ۱۰۹ (مولانا تقی عثمانی)

③ فتح الباری ۹/۲۹ ④ ایضاً

"میرا خیال ہے کہ امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کر کے اسے نکھار دیا۔"

متاخرین علماء میں سے شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور اس کی تائید وتوثیق میں متعلقہ دلائل پیش کئے ہیں۔[1]

الحاصل تشریح وتوضیح میں گو اختلاف ہے، لیکن اس بات پر امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازی، محقق ابن الجزری اور قاضی باقلانی رحمۃ اللہ علیہم متفق ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد قراءت کی سات نوعیتیں ہیں اور یہ اختلاف انہیں ساتوں نوعیتوں میں منحصر ہے۔

یوں تو یہ بات دعویٰ سے نہیں کہی جاسکتی ہے کہ احادیث میں "سبعة احرف" سے مراد قراءت کی یہی سات نوعیتیں ہیں، کیونکہ اس طرح کی تعیین کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں، لیکن راقم الحروف کی ناچیز رائے میں حدیث مبارکہ کی یہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں "سبعة احرف" سے مراد قراءت کی یہی سات نوعیتیں ہیں، اور اس کی تائید غالباً قرآن کریم کی آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (المزمل:۲۰) سے ہوتی ہے، غالباً اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہیں جس قراءت میں سہولت ہو قرآن کریم کی تلاوت کرو، گو کہ علماء مفسرین اور فقہاء کرام سے یہ تفسیر منقول نہیں ہے۔ سات نوعیتیں کی تعیین میں امام رازی کی رائے سب سے بہتر ہے کیونکہ آپ کا استقراء موجودہ قراءت کی تمام انواع کو جامع اور محیط ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اس قول کے راجح ہونے کے دلائل

"سبعة احرف" کی تشریح وتعیین اور تعبیر میں اس قول کے قوی اور راجح ہونے کے دلائل یہ ہیں:

① اس قول کے مطابق "حروف" اور "قراءت" کو دو الگ الگ چیزیں نہیں قرار دینی پڑتی ہیں، جبکہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کو مان لینے کی صورت

① دیکھئے: مناھل العرفان، ص: ۱۵۵-۱۵۴

میں یہ قباحت اور اُلجھن سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تسلیم کرنے پڑیں گے، ایک حروف کا اختلاف دوسرے قرأت کا اختلاف، حروف کا اختلاف تو اب ختم ہو گیا اور قرأت کا اختلاف باقی ہے۔ حالانکہ احادیث کے پورے ذخیرے کو کھنگالا جائے اور کتب احادیث کی تمام کتابوں کی ورق گردانی کر لی جائے تو ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ قرأت اور حروف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ احادیث میں صرف حروف کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے اور غالباً اسی کے لئے جا بجا قرأت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اگر قرأت ان حروف سے الگ کوئی چیز ہوتی تو حدیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں کہیں نہ کہیں یہ بات ضرور مل جاتی، یا کم سے کم اشارہ ہی ملتا، کہ قرأت اور حروف کا اختلاف جداگانہ ہے، اور یہ دونوں دو مختلف چیزیں ہیں۔ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ حروف کے اختلاف کی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اور قرأت کے اختلاف کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں، پھر محض قیاس اور رائے کی بنیاد پر یہ کہنا کیونکر درست اور صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کے اختلافات تھے۔

② علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ماننے کی صورت میں یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ "سات حروف" میں سے چھ حروف منسوخ یا متروک ہو گئے، صرف ایک حرف یعنی حرف قریش باقی رہ گیا ہے، اس نظریہ کی قباحتیں اور خرابیاں ارباب بصیرت اور اہل علم کی نظر سے پوشیدہ نہیں، جبکہ اس آخری قول میں یہ قباحتیں نہیں ہیں، کیونکہ اس کے مطابق آج بھی ساتوں حروف باقی اور محفوظ ہیں۔

③ اس قول کے مطابق "سبعۃ احرف" کے معنی بلا کسی تاویل اور بے جا تکلف کے صحیح ہو جاتے ہیں، جبکہ دوسرے اقوال کے ماننے کی صورت میں ساتوں حروف کی تاویل کرنی پڑتی ہے، خود "سات" کی تعداد کی تاویل میں اُلجھنا پڑتا ہے۔

④ اس رائے کے حاملین میں ایک نام ایسے شخص کا بھی ملتا ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے، اور اقوال نبوی کا رمز شناس اور احادیث کے بحر ذخار کے غواصوں میں

ہے، میری مراد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

⑤ علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں حضرات جو فن قرأت کے مسلّم امام ہیں بھی اسی کے قائل ہیں، ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے تو مکمل تیس سال کے غور و فکر اور غواصی کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے، ان ائمہ کا اس کا قائل ہونا بھی اس قول کے صحت اور ترجیح کے لئے ایک اہم قرینہ ہے۔[1]

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات

ایک تحقیقی جائزہ:

اب چلتے چلتے ایک طائرانہ نظر ان اعتراضات پر بھی ڈالتے چلیے، جو اس قول پر وارد ہوتے ہیں یا وارد کئے گئے ہیں۔

اس پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس قول میں جتنی وجوہ اختلاف بیان کی گئی ہیں، وہ زیادہ تر صرفی ونحوی اصطلاحات وتقسیمات پر مبنی ہیں، حالانکہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے "سبعۃ احرف" کا مبارک جملہ نکلا تھا، اس وقت صرف ونحو کی یہ فنی اصطلاحات وتقسیمات رائج نہیں ہوئی تھیں، لوگ ان اصطلاحات سے آشنا نہیں تھے، ایسی صورت میں ان وجوہ اختلاف کو "سبعۃ احرف" قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض نقل کرنے کے بعد جواب دیا ہے:

((قُلْتُ : وَ لَا يَلْزَمُ مِنْ ذَالِكَ تَوْهِيْنُ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ اِبْنُ قُتَيْبَةَ لِاِحْتِمَالِ اَنْ يَكُوْنَ الْاِنْحِصَارُ الْمَذْكُوْرُ فِيْ ذَالِكَ وَقَعَ اِتِّفَاقًا اِنَّمَا اَطَّلَعَ عَلَيْهِ بِالْاِسْتِقْرَاءِ وَ فِيْ ذَالِكَ مِنَ الْحِكْمَةِ الْبَالِغَةِ مَا لَا يَخْفٰى)).[2]

"میرا خیال ہے کہ اس سے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی کمزوری لازم نہیں آتی، اس لئے کہ ممکن ہے کہ مذکورہ انحصار اتفاقاً ہو گیا ہو، اور اس کی اطلاع استقراء کے

---

① تفصیل کے لئے دیکھیں: علوم القرآن ۱۱۱-۱۰۶

② فتح الباری ۹/۲۹

ذریعہ ہو گئی ہو، اور اس میں جو حکمت بالغہ ہے وہ پوشیدہ نہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ عہد رسالت میں یہ فنی اصطلاحات رائج نہ تھیں اور کیا عجب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبعۃ احرف" کی تشریح اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس دور میں نہ فرمائی ہو، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ فنی اصطلاحات جن مفاہیم سے عبارت ہیں، وہ اس دور میں بھی پائے جاتے تھے، پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مفاہیم کے اعتبار سے وجوہ اختلاف کو سات ہی میں منحصر کر دیا ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہاں اگر اس دور میں سات وجوہ اختلاف کی تفصیل کی جاتی تو شاید عامۃ الناس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی اور وہ حیرانی واستعجاب میں مبتلا ہو جاتے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفصیل کرنے سے گریز فرمایا ہو، اور صرف اتنا واضح کر دیا کہ وجوہ اختلاف "سات" میں منحصر ہیں، بعد کو جب یہ اصطلاحات رائج ہوئیں تو علماء محققین نے استقراء کے ذریعہ ان وجوہ اختلاف کو اصطلاحی الفاظ سے تعبیر کر دیا۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں شخص کا استقراء بعینہ درست ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے، مشکل ہے لیکن جب مختلف علماء کا استقراء یہ ثابت کر رہا ہے کہ وجوہ اختلاف کل سات ہیں، تو اس بات کا یقین ہونے لگتا ہے کہ "سات حروف" سے آپ کی مراد یہی سات وجوہ اختلاف ہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان کی تفصیل بعینہ وہ نہ ہو جو بعد میں استقراء کے ذریعہ متعین کی گئی ہے، خاص طور پر جبکہ "سبعۃ احرف" کی دیگر توجیہات و تشریحات معقول نہیں معلوم ہوتی ہیں۔

سات قرأتوں کی آسانیاں؟

اوپر یہ بات گزری کہ قرآن کریم کو سات قرأتوں میں اس لئے نازل کیا گیا کہ امت کے لئے سہولت اور آسانی پیدا ہو سکے، حالانکہ یہ آسانی صرف علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ عرب مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے، اور ہر ایک کی زبان ولغت علیحدہ تھی، اور ایک قبیلے کے لئے دوسرے قبیلے کی لغت میں تلاوت قرآن مشکل تھی، جبکہ امام مالک، امام رازی، امام ابن الجزری اور علامہ ابن قتیبہ رحمہم اللہ کی تشریحات کے مطابق ساتوں حروف لغت قریش ہی سے متعلق ہیں، اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی

کہ قرآن کریم ایک ہی لغت پر نازل کرنا تھا تو قراءت کے اختلاف کو باقی رکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور اس سے امت کے لئے کون سی آسانیاں پیدا ہوگئیں؟

اصل میں اس اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آپ ﷺ نے تلاوت قرآن میں امت کے لئے جو سہولت طلب کی اس میں عربی قبائل کا اختلاف لغت آپ ﷺ کے پیش نظر تھا یا نہیں؟ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ چونکہ یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیش نظر قبائل عرب کے لغتوں کا اختلاف ہی تھا، اسی لئے انہوں نے "سبعۃ احرف" کو "سبعۃ لغات" کا جامہ پہنا دیا، حالانکہ اس قول کی تائید میرے علم کے مطابق کسی حدیث سے نہیں ہوتی ہے، اس کے برخلاف ایسی حدیث ملتی ہے جس میں آپ ﷺ نے بڑے ہی واضح اور دوٹوک انداز میں یہ بیان فرما دیا ہے کہ سات حروف کی آسانی طلب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پیش نظر کیا چیزیں تھیں، اور آپ ﷺ نے کیونکر یہ سہولت مانگی تھی؟ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

لَقِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جِبْرِيْلَ فَقَالَ: يَا جِبْرِيْلُ ! اِنِّيْ بُعِثْتُ اِلٰى اُمَّةٍ اُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ، وَالرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ)).[1]

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے ملاقات کی اور کہا کہ اے جبرئیل علیہ السلام! میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں، جن میں بوڑھیاں بھی ہیں بوڑھے بھی، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور ایسے لوگ بھی جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے محمد ﷺ بیشک قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا۔"

اس حدیث کا ظاہر صاف بتلا رہا ہے کہ امت کے لئے سات حروف کی آسانی طلب کرنے میں آپ ﷺ کے پیش نظر یہی بات تھی کہ آپ اُمی اور ان پڑھ قوم کی طرف مبعوث

---

[1] ترمذی ۲/۱۸۸

کئے گئے ہیں، جس میں ہر طرح کے افراد ہیں اگر ایک قرأت ہی تلاوت کے لئے متعین کر دی جاتی تو یہ اُمی حضرات بڑی مشکل میں پڑ جاتے اور ان کے لئے قرآن کریم کا پڑھنا ایک زحمت بن کر رہ جاتا، اسی لئے ان سات قرأتوں کا مطالبہ کیا گیا تا کہ اگر کسی وجہ سے کسی کی زبان پر ایک لفظ جاری نہ ہو سکے تو وہ شخص متبادل لفظ استعمال کر لے، یا اگر کوئی معروف کا صیغہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو مجہول کا صیغہ ادا کر لے یا کسی کے لئے مفرد ادا کرنا دشوار ہو رہا ہو، تو وہ صیغہ جمع پڑھ لے، غرض کہ اسی طرح ایک قاری قرآن کے لئے خدا کی اس کتاب میں سات طرح کی سہولتیں اور آسانیاں مل جائیں گی۔

اس حدیث سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ آپ ﷺ کے پیش نظر کیا تھا، آپ ﷺ نے سات حروف کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ جس امت کا میں نبی بنایا گیا ہوں وہ مختلف قبائل اور برادری سے تعلق رکھتی ہے، اور ان میں ہر ایک کی زبان جدا ہے، آپ ﷺ نے قبائلی اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف عمروں کے تفاوت اور اُمی ہونے کی صفت پر زور دیا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے پیش نظر قبائل عرب کا لغوی اختلاف نہیں، بلکہ اُمت کی ناخواندگی کو دیکھتے ہوئے امت کو تلاوت میں ایک عام قسم کی سہولت دینا پیش نظر تھا، جس سے امت کے تمام افراد بلا تفریق فائدہ اٹھا سکیں۔ واللہ اعلم

کیا حروف سبعہ اب بھی محفوظ ہیں؟

احادیث میں وارد "سبعۃ احرف" سات حروف کے معنی اور مفہوم متعین ہو جانے کے بعد یہ بحث اہم ہے کہ یہ سات حروف اب بھی باقی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں متقدمین سے تین اقوال منقول ہیں:

پہلا قول حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور ان کے ہمنواؤں کا ہے اور پہلے ہی گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک "احرف سبعۃ" سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک قرآن کریم ان ساتوں حروف پر پڑھا جاتا رہا ہے، بعد کو جب عہد عثمانی میں اسلام اقطار عالم میں پھیل گیا اور لوگ "حروف سبعۃ" سے

عدم واقفیت کی وجہ سے جھگڑنے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سوائے لغت قریش کے تمام لغتوں کو ختم کر دیا، اور "حرف قریش" پر مصاحف مرتب فرما کر تمام روانہ فرمایا اور بقیہ مصاحف نذرِ آتش کر دیئے، تاکہ اختلاف راہ نہ پا سکے، لہٰذا صرف لغت قریش باقی رہا اور بقیہ چھ حروف محفوظ نہیں رہے۔[1]

دوسرا نظریہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے چونکہ ان کے نزدیک قرآن کریم نازل تو صرف لغت قریش پر ہوا لیکن امت کی آسانی کے پیش نظر قرآن کریم کی تلاوت میں سات کی حد تک مترادفات کے استعمال کی اجازت دے دی گئی، اور مترادفات کو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیا، اور اسی اجازت کو زبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبعۃ احرف" سے تعبیر کیا، لیکن جب لوگ قرآنی لغت کے عادی ہو گئے تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ہی میں یہ اجازت بھی منسوخ ہو گئی اور اب قرآن صرف لغت قریش ہی پر باقی ہے، اور باقی چھ لغتیں حذف کر دی گئیں۔

((وَإِنَّ ضَرُوْرَةَ اِخْتِلَافِ لُغَاتِ الْعَرَبِ وَ مَشَقَّةَ نُطْقِهِمْ بِغَيْرِ لُغَتِهِمْ اِقْتَضَتِ التَّوْسِعَةَ عَلَيْهِمْ فِيْ اَوَّلِ الْاَمْرِ، فَاُذِنَ لِكُلٍّ مِنْهُمْ اَنْ يَّقْرَأَ عَلٰى حَرْفِهٖ اَيْ عَلٰى طَرِيْقَتِهٖ فِي اللُّغَةِ، اِلٰى اَنِ انْضَبَطَ الْاَمْرُ فِيْ اٰخِرِ الْعَهْدِ، وَ تَدَرَّبَتِ الْاَلْسُنُ، وَ تَمَكَّنَ النَّاسُ مِنَ الْاِقْتِصَارِ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الْوَاحِدَةِ فَعَارَضَ جِبْرَئِيْلُ النَّبِيَّ ﷺ الْقُرْاٰنَ مَرَّتَيْنِ فِي السَّنَةِ الْاَخِيْرَةِ، وَاسْتَقَرَّ عَلٰى مَا هُوَ الْاٰنَ فَنَسَخَ سُبْحَانَهٗ تِلْكَ الْقِرَاءَةَ الْمَاْذُوْنَ فِيْهَا)).[2]

"قبائل عرب کی لغتوں کا اختلاف اور دوسری لغت میں پڑھنے کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے ہر ایک کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنی لغت میں پڑھے، لیکن آخر زمانہ میں جب زبانیں عادی ہو گئیں اور لوگ ایک ہی طریقہ پر پڑھنے پر قادر

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ۱/۱۵، مناهل العرفان ۱/۲۱۳

[2] مناهل العرفان ۱/۲۱۳

ہو گئے، تو اخیر سال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے ساتھ دو دور کئے اور قرآن کریم موجودہ حالت کی طرح باقی رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے تمام لغتوں کو جس کی اجازت دی گئی تھی منسوخ فرما دیا۔"

غرض کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی سات حروف اب باقی نہیں رہے، بلکہ صرف لغت قریش ہی باقی ہے، جیسا کہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا ان حضرات کا یہ نظریہ صحیح ہے، اور اس کو تسلیم کرنے میں کیا خرابیاں اور قباحتیں ہیں؟ اس کے بیان کا یہ رسالہ متحمل نہیں [1] اس لئے ہم اس قیل وقال سے صرف نظر کرتے ہوئے، صحیح اور راجح قول کو بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

سب سے بہتر قول؟

تیسرا قول جو سب سے بہتر اور بے غبار ہے، وہ یہی ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد چونکہ اختلاف قرأت کی ہی سات نوعیتیں اور قسمیں ہیں۔ جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہوا۔ اس لئے یہ ساتوں حروف آج بھی پوری طرح محفوظ اور باقی ہیں، ہاں ابتدائے اسلام میں قرأتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور ان میں مرادف الفاظ کے استعمال کی کثرت تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ لغت قرآن کے عادی نہیں ہو پائے ہیں، ان کے لئے قرأت میں سہولت اور آسانی پیدا کی جائے، لیکن بعد کو جب عرب اس کے عادی ہو گئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلافات ختم کر دیئے گئے، چنانچہ "عرضۂ اخیرہ" میں یہ سب قرأتیں منسوخ کر دی گئیں لیکن جتنی قرأتیں اس وقت باقی رہ گئیں وہ تواتر کے ساتھ چلی آ رہی ہیں اور ان کی تلاوت ہوتی آ رہی ہے۔

سچی بات یہی ہے کہ "احرف سبعہ" کی مشکل اور پیچیدہ بحث میں یہی وہ بے غبار راستہ ہے جس پر تمام روایات اپنی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں، اور ان میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی نہیں رہتا ہے، اس قول کے قائلین میں اکابر اہل علم کی غالب اکثریت شامل ہے۔ یہاں ہم ان حضرات کے اسمائے گرامی اور حوالے ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جنہوں نے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: الاتقان ۱/۱ النوع السادس، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

اس قول کو اختیار کیا ہے، یا حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کی تردید کی ہے۔

اس قول کے قائلین؟

مشہور حنفی فقیہ اور محدث شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَاِخْتَلَفَ الْاُصُوْلِیُّوْنَ هَلْ یُقْرَأُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ، فَمَنَعَهُ الطَّبَرِیُّ وَغَیْرُهُ وَ قَالَ: اِنَّمَا یَجُوْزُ بِحَرْفٍ وَاحِدٍ الْیَوْمَ، وَ هُوَ حَرْفُ زَیْدٍ وَ نَحٰی اِلَیْهِ الْقَاضِیْ اَبُوْبَکْرٍ ، وَ قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الْاَشْعَرِیُّ : اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّهُ لَا یَجُوْزُ حَظْرُ مَا وَسَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنَ الْقِرَاءَةِ بِالْاَحْرُفِ الَّتِیْ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَا یَسُوْغُ لِلْاُمَّةِ اَنْ تَمْنَعَ مَا لَا یُطْلِقُهُ اللّٰهُ تَعَالٰی، بَلْ هِیَ مَوْجُوْدَةٌ فِیْ قِرَاءَتِنَا مُفَرَّقَةً فِی الْقُرْاٰنِ غَیْرَ مَعْلُوْمَةٍ فَیَجُوْزُ عَلٰی هٰذَا، وَ بِهٖ قَالَ الْقَاضِیْ اَنْ یُقْرَأَ بِکُلِّ مَا نَقَلَهُ اَهْلُ التَّوَاتُرِ مِنْ غَیْرِ تَمْیِیْزِ حَرْفٍ مِنْ حَرْفٍ فَیُحْفَظُ حَرْفُ نَافِعٍ بِحَرْفِ الْکِسَائِیِّ وَ حَمْزَةَ وَلَا حَرَجَ فِیْ ذٰلِكَ)). [1]

”اور اس بارے میں علماء اصولیین کا اختلاف ہے کہ قرآن کریم کو آج سات حروف میں پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اور کہا کہ آج قرآن کریم کی تلاوت ایک ہی حرف پر درست ہے، اور وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حرف ہے، اور قاضی ابوبکر بھی اسی طرف مائل ہیں، لیکن امام الحسن اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ نے جو حروف نازل کر کے امت کو سہولت عطا فرمائی تھی اس سے روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، اور امت اس بات کی مجاز نہیں کہ کسی چیز کی اجازت اللہ نے دی ہو اسے روک دے، اور یہی قاضی (عیاض) کا بھی خیال ہے کہ جتنے حروف تواتر کے ساتھ منقول ہیں، ان سب کا پڑھنا جائز ہے، اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے ممتاز کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے،

---

① عمدۃ القاری کتاب الخصومات ۲۰۸/۱۲

چنانچہ نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کو کسائی اور حمزہ کی قرأت کے ساتھ (ملا کر) یاد کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔"

اور علامہ بدرالدین، زرکشی اور قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہما کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((اَلسَّابِعُ : اِخْتَارَهُ الْقَاضِیْ اَبُوْبَكْرٍ ، وَ قَالَ : الصَّحِیْحُ اَنَّ هٰذِهِ الْاَحْرُفَ السَّبْعَةُ ظَهَرَتْ وَ اسْتَفَاضَتْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ ضَبَطَهَا عَنْهُ الْاَئِمَّةُ، وَاَثْبَتَهَا عُثْمَانُ وَالصَّحَابَةُ فِی الْمُصْحَفِ وَ اَخْبَرُوْا بِصِحَّتِهَا، وَ اِنَّمَا حَذَفُوْا مِنْهَا مَا لَمْ یَثْبُتْ مُتَوَاتِرًا وَ اِنَّ هٰذَا الْاَحْرُفَ تَخْتَلِفُ مَعَانِیْهَا تَارَةً اَلْفَاظُهَا اُخْرٰی، وَلَیْسَتْ مُتَضَادَّةً وَلَا مُنَافِیَةً)).[1]

"اور ساتواں قول قاضی ابوبکر (باقلانی) کا پسندیدہ ہے، اور انہوں نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہرت کے ساتھ منقول ہیں، ائمہ نے انہیں محفوظ رکھا ہے، اور حضرت عثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں مصحف میں باقی رکھا ہے اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی ہے، اور انہی حروف کو حذف کیا جو تواتر سے ثابت نہیں تھے، اور یہ حروف جن کے معنی اور الفاظ میں کبھی فرق ہو جاتا ہے، لیکن یہ ایک دوسرے کے منافی اور متضاد نہیں ہیں۔"

علامہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے الفاظ میں حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بڑے ہی شدومد اور سخت انداز میں تردید کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ چھ حروف کے ابطال اور تنسیخ کا قول بالکل ہی غلط اور بے بنیاد ہے، اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایسا کرنا چاہتے تو نہ کر سکتے تھے، اور ان کو اس کا اختیار نہیں تھا، کیونکہ عالم اسلام کا چپہ چپہ ان حروف کے حافظوں سے بھرا ہوا تھا اور ہزاروں لوگوں کے سینہ میں یہ حروف محفوظ تھے چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

((وَ اَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ اَبْطَلَ الْاَحْرُفَ السِّتَّةَ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ، وَلَوْ فَعَلَ عُثْمَانُ ذٰلِكَ اَوْ اَرَادَهُ لَخَرَجَ عَنِ الْاِسْلَامِ، وَلَمَا عَطَلَ

[1] البرهان فی علوم القرآن ۱/۲۲۴-۲۲۳

سَاعَةً بَلِ الْاَحْرُفُ السَّبْعَةُ كُلُّهَا مَوْجُوْدَةٌ عِنْدَنَا قَائِمَةٌ كَمَا كَانَتْ مَثْبُوْتَةً فِي الْقِرَاَةِ الْمَشْهُوْرَةِ الْمَاثُوْرَةِ)).①

"رہا یہ قول کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف کو منسوخ کر دیا تو جس نے یہ بات کہی ہے اس نے بالکل غلط کہا ہے، اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرتے یا اس کا ارادہ بھی کرتے تو بلا کسی توقف کے وہ اسلام سے خارج ہو جاتے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں کی ساتوں قرأت ہمارے پاس بعینہٖ محفوظ ہیں جیسا کہ مشہور قرآتوں میں موجود تھیں۔"

ظاہر ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس صورت میں ہے جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرتے، لیکن جب انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا تو پھر ان کی عظمت میں کیوں کر کمی آ سکتی ہے، لیکن واضح ہونا چاہئے کہ اگر بالفرض ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی بات صحیح مان لی جائے تب بھی وہ اتنے سخت ترین الفاظ کے مستحق نہیں کیونکہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (معاذ اللہ) چھ حروف کی تنسیخ نہیں فرمائی تھی، بلکہ اسے ترک کر دیا تھا۔

ان حضرات کے علاوہ علامہ ابو الولید باجی رحمۃ اللہ علیہ، امام قرأت حافظ ابو الخیر محمد بن جزری، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ بھی اسی قول کے راجح ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت امام غزالی اصول فقہ کی اپنی معرکۃ الآرا کتاب "المستصفیٰ" میں قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((وَ مَا نُقِلَ اِلَيْنَا مَا بَيْنَ دَفَّتَيِ الْمُصْحَفِ عَلَى الْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ الْمَشْهُوْرَةِ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا)).①

"وہ کلام جو مصحف کی دو دفتیوں میں مشہور سات حروف کے مطابق متواتر طریقہ پر ہم تک پہنچا ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف سے بالکل ظاہر ہے کہ وہ "حروف سبعہ" کے آج تک

---

① المستصفی ۱/۱۰۱، ط: دیوبند

باقی رہنے کے قائل ہیں، اسی ضمن میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

((وَ كَأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُشِفَ لَهُ أَنَّ الْقِرَاءَةَ الْمُتَوَاتِرَةَ تَسْتَقِرُّ فِيْ أُمَّتِهِ عَلَى سَبْعٍ وَ هِيَ الْمَوْجُوْدَةُ الْآنَ)).[1]

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہو گیا تھا کہ متواتر قراءتیں آپ کی امت میں سات رہ جائیں گی، چنانچہ وہی آج تک موجود ہیں۔"

اب ہم یہاں آخری دور کے معروف محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں، اور اس تحقیق کو اس باب میں حرف آخر ہی کہنا چاہیے، جس کے بعد مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّهُمْ اِتَّفَقُوْا عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ مِنْ سَبْعَةِ أَحْرُفٍ السَّبْعَةَ الْمَشْهُوْرَةَ، بِأَنْ يَكُوْنَ كُلُّ حَرْفٍ مِنْهَا قِرَاءَةً مِنْ تِلْكَ الْقِرَاءَةِ، أَعْنِيْ أَنَّهُ لَا اِنْطِبَاقَ بَيْنَ الْقِرَاءَاتِ السَّبْعِ وَالْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ، كَمَا يَذْهَبُ إِلَيْهِ الْوَهْمُ بِالنَّظَرِ إِلَى لَفْظِ السَّبْعَةِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ، بَلْ بَيْنَ تِلْكَ الْأَحْرُفِ وَالْقِرَاءَةِ عُمُوْمٌ وَ خُصُوْصٌ وَجْهِيٌّ، كَيْفَ: وَإِنَّ الْقِرَاءَاتِ لَا تَنْحَصِرُ فِي السَّبْعَةِ، كَمَا صَرَّحَ ابْنُ الْجَزَرِيِّ رحمه الله فِيْ رِسَالَتِهِ، اَلنَّشْرُ فِي الْقِرَاءَةِ الْعَشْرِ، وَ إِنَّمَا اشْتَهَرَتِ السَّبْعَةُ عَلَى الْأَلْسِنَةِ، لِأَنَّهَا الَّتِيْ جَمَعَهَا الشَّاطِبِيُّ، ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ بَعْضَهُمْ فَهِمَ أَنَّ بَيْنَ تِلْكَ الْأَحْرُفِ تَغَايُرًا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، بِحَيْثُ لَا رَبْطَ بَيْنَهَا، وَ لَيْسَ كَذَالِكَ، بَلْ قَدْ يَكُوْنُ الْفَرْقُ بِالْمُجَرَّدِ وَالْمَزِيْدِ، وَ أُخْرَى بِالْأَبْوَابِ، وَ مَرَّةً بِاعْتِبَارِ الصِّيَغِ مِنَ الْغَائِبِ وَالْحَاضِرِ، وَ طَوْرًا لِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ وَ تَسْهِيْلِهَا، فَكُلُّ هٰذِهِ التَّغْيِيْرَاتِ يَسِيْرَةً كَانَتْ أَوْ كَبِيْرَةً حَرْفٌ بِرَأْسِهِ، وَ غَلَطَ مَنْ فَهِمَ أَنَّ هٰذِهِ الْأَحْرُفَ مُتَغَايِرَةٌ كُلُّهَا بِحَيْثُ يَتَعَذَّرُ اجْتِمَاعُهَا، أَمَّا إِنَّهُ كَيْفَ عَدَدُ السَّبْعَةِ، فَتَوَجَّهَ إِلَيْهِ ابْنُ الْجَزَرِيِّ، وَ حَقَّقَ أَنَّ التَّصَرُّفَاتِ كُلَّهَا

① مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۵، دیوبند، الهند

تَرْجِعُ إِلَى السَّبْعَةِ، وَرَاجِعَ الْقُسْطُلَانِيَّ وَالزُّرْقَانِيَّ، بَقِيَ الْكَلَامُ فِيْ أَنَّ تِلْكَ الْأَحْرُفَ كُلَّهَا مَوْجُوْدَةٌ أَوْ رُفِعَ بَعْضُهَا، وَبَقِيَ الْبَعْضُ، فَاعْلَمْ أَنَّ مَا قَرَأَهُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْعَرْضَةِ الْأَخِيْرَةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُ ثَابِتٌ فِيْ مُصْحَفِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ، وَلَمَّا لَمْ يَتَعَيَّنْ مَعْنَى الْأَحْرُفِ عِنْدَ ابْنِ جَرِيْرٍ ذَهَبَ إِلَى رَفْعِ الْأَحْرُفِ السِّتِّ مِنْهَا، وَبَقِيَ وَاحِدٌ فَقَطْ)).[1]

"یہ ذہن نشین کرلیں کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سات حروف سے مراد مشہور سات قرائتیں ہیں، اور یہ بات نہیں ہے کہ ہر حرف میں سات قرأتوں میں سے ایک قرأت ہو، یعنی کہ سات قرائتیں اور سات حروف ایک چیز نہیں، جیسے کہ سات کے لفظ سے پہلی نظر میں وہم ہوتا ہے، بلکہ ان حروف اور سات قرأتوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ قرائتیں صرف سات نہیں ہیں جیسا کہ علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے "النشر فی قرأة العشر" میں ذکر کیا ہے، البتہ سات قرأتوں کا لفظ زبان پر اس لئے مشہور ہوگیا کہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سات قرأتوں میں جمع کیا ہے، پھر یہ بھی یاد رکھیے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سات حروف کے درمیان کلی تغایر ہے، اور ان میں کوئی باہم ربط نہیں ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں بلکہ بعض اوقات دو حرفوں میں فرق صرف صیغہ مجرد اور مزید کا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ (صرفی) ابواب کا، اور بعض دفعہ غائب اور حاضر کے صیغوں کا، اور کبھی صرف ہمزہ کو باقی رکھنے اور اس کی تسہیل کا، تو یہ تمام تغیرات خواہ معمولی ہوں یا بڑے اور مستقل ہوں، اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حروف کے درمیان کلی تغایر ہے، اور ان کا جواب علامہ ابن جزری نے دیا ہے اور محقق بات ہے کہ یہ سارے تغیرات سات قسم کے ہیں اور قسطلانی اور زرقانی نے اسی کی طرف رجوع کیا ہے۔

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ یہ تمام حروف موجود ہیں، یا ان میں بعض ختم کردیے گئے

[1] فتح الباری ۳/ ۳۲۳-۳۲۱

اور بعض باقی ہیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جتنے حروف قرآن کے اخیر میں پڑھے تھے وہ سب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود ہیں اور چونکہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ پر حروف کے معنی واضح نہیں ہو سکے، اس لئے انہوں نے یہ رائے اختیار کی چھ حروف ختم ہو گئے، اور صرف ایک باقی رہ گیا۔"

اسی طرح مشہور محقق علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۱) علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کی رائے کو ایک سنگین اور خطرناک غلطی بتلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ایک غلط اور خطرناک رائے تھی۔ جس پر علامہ ابن حزم نے بڑے شد و مد کے ساتھ نکیر کی ہے، اور ان کی نکیر بجا بھی ہے، اور انہیں اس کا پورا حق تھا:

((هٰذَا رَأْيٌ خَطِيْرٌ قَامَ ابْنُ حَزْمٍ بِأَشَدِّ التَّنْكِيْرِ عَلَيْهِ فِي الْفَصْلِ وَفِي الْأَحْكَامِ وَلَهُ الْحَقُّ فِيْ ذَالِكَ)). ①

الحاصل گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ درست نہیں اور یہاں اس لئے یہ بحث بڑی تفصیل اور شرح و بسط سے ذکر کی گئی، کہ علامہ کے علو مرتبہ اور جلالت علم سے مرعوب ہو کر عام طور پر ان کا ہی قول ہر طرح سے صحیح سمجھا جانے لگا، اور دوسرے علماء کے بے غبار اور صحیح اقوال سے بے اعتنائی برتی گئی، لیکن سچی بات یہ ہے کہ امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر بن طیب، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، امام غزالی، امام ابوالحسن اشعری اور ملا علی قاری رحمہم اللہ جیسے اکابر اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں، اور عرضہ اخیرہ (آخری دور) کے وقت جتنے حروف تھے، ان میں نہ تو کوئی متروک ہوا نہ ہی منسوخ، اور ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر اسے علماء جمہور کا مسلک قرار دیا ہے متاخرین میں مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، علامہ کشمیری، علامہ زاہد کوثری رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور مشہور محقق علامہ عبدالعظیم زرقانی کہتے ہیں علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قابل اعتبار نہیں، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

---

① مقالات کوثری ص ۲۰-۲۱

((قُصَارَی الْقَوْلِ اَنَّنَا بِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یَّکُوْنُوْا قَدْ وَافَقُوْا اَوْ فَکَّرُوْا فَضْلًا عَنْ اَنْ یَتَآمَرُوْا عَلٰی ضِیَاعِ اَحْرُفِ الْقُرْاٰنِ السَّبْعَۃِ دُوْنَ نَسْخٍ بِھَا وَ حَاشَا عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ اَنْ یَّکُوْنَ قَدْ اَقْدَمَ عَلٰی ذٰالِکَ وَ تَزَعَّمَہٗ)).[1]

"یہ بڑی گری ہوئی بات ہوگی کہ ہم یہ سمجھیں کہ اصحاب نبی ﷺ متفق ہو گئے یا انہوں نے سوچا تو درکنار کہ انہوں نے قرآن کے چھ حروف کو ضائع کر دینے کا مشورہ کیا ہو باوجودیکہ وہ منسوخ نہیں، اور یہ تو عجیب بات ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ قدم اٹھایا ہو اور اس کے بارے میں سوچا بھی ہو۔"

پھر علامہ چند سطور کے بعد رقم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے چھ حروف نہ تو تلاوتاً اور نہ ہی حکماً منسوخ ہوئے:

((وَ ھٰذِہِ السَّبْعَۃُ الْاَحْرُفُ لَمْ تُنْسَخْ لَا تِلَاوَۃً وَّ لَا حُکْمًا حَتّٰی تَذْھَبَ بِجَرَّۃِ قَلَمٍ کَذَالِکَ، ثُمَّ یُبْخَلُ عَلَیْھَا بِالْبَقَاءِ لِلتَّارِیْخِ وَحْدَہٗ فِیْ اَعْظَمِ مَرْجِعٍ ، وَ اَقْدَسِ کِتَابٍ، وَ ھُوَ الْقُرْاٰنُ الْکَرِیْمِ ، عَلٰی حِیْنٍ اَنَّ الصَّحَابَۃَ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ حَفِظُوْا لِلتَّارِیْخِ اٰیَاتٍ نُسِخَتْ تِلَاوَتُھَا وَ نُسِخَتْ اَحْکَامُھَا، وَ عَلٰی حِیْنٍ اَنَّھُمْ حَفِظُوْا قِرَاءَاتٍ شَاذَّۃً فِی الْقُرْاٰنِ ثُمَّ نُقِلَتْ وَ کُتِبَ لَھَا الْخُلُوْدُ اِلَی الْیَوْمِ وَ اِلٰی مَا بَعْدَ الْیَوْمِ)).[2]

غرض کہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ کا نقطہ نظر وہی ہے، جو علماء سلف کا ہے اور انہوں نے اسے ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، چنانچہ آپ ادلہ اور براہین سے ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے پاس "سبعۃ احرف" کی بقاء پر نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی اور مادی دلائل موجود ہیں، اور وہ دلیل یہ ہے کہ امت آج بھی سہولت اور آسانی حروف سبعہ کی تلاوت میں محسوس کر رہی ہے، اور حروف سبعہ کے نزول میں یہی حکمت عظیم کارفرما تھی۔

((وَ لَدَیْنَا دَلِیْلٌ مَادِیٌّ اَیْضًا عَلٰی بَقَاءِ الْاَحْرُفِ السَّبْعَۃِ جَمِیْعًا ھُوَ

[1]، [2] مناھل العرفان ۱/۱٤۸

بَقَاءُ التَّيْسِيْرِ وَالتَّخْفِيْفِ وَ تَهْوِيْنُ الْأَدَاءِ عَلَى الْأُمَّةِ الْإِسْلَامِيَّةِ الَّذِيْ هُوَ الْحِكْمَةُ فِي الْأَحْرُفِ السَّبْعَةِ)).[1]

الغرض قرآن کریم کے ساتوں حروف آج بھی باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے اور مصحف عثمانی ان تمام حروف کو جامع ہے، اگر دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے جو کسی قول کو ثابت کرنے کے لئے بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ صرف ان اہل علم کی فہرست پر ہی نظر ڈالی جائے، جنہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے، اور اسے اپنا مسلک بنایا ہے، تب بھی یہی قول زیادہ راجح اور وزنی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

خلاصہ بحث

سات حروف کی بحث اندازہ سے زیادہ طویل ہوگئی، بلکہ طویل ہونے دی گئی تاکہ طالبان علم کے لئے مفید اور نافع ثابت ہو، اس لئے دیگر دلائل و براہین سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ بحث یہیں ختم کی جاتی ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو یہاں بیان کر دیا جائے تاکہ ذہن کے نہاخانوں میں انہیں محفوظ رکھنا آسان ہو۔

① امت کی آسانی اور سہولت کی خاطر آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ خواہش کی کہ قرآن کریم کی تلاوت کو ایک ہی قرأت میں نہ محدود رکھا جائے، بلکہ اسے مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی جائے، جس کی تعداد ایک کے بعد ایک کے اضافہ سے سات تک پہنچ گئی۔

② سات حروف پر نازل ہونے کا مطلب اور راجح ترین مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کی "قرأت" سات نوعیتوں کے اختلاف پر رکھی گئی، جس کی وجہ سے بہت سی قرائین وجود میں آ گئیں۔

③ ابتداء ان سات وجوہ اختلاف میں سے زیادہ تر کا تعلق اختلاف الفاظ و مترادفات سے تھا، یعنی ایک قرأت میں اسی کے ہم معنی دوسرا لفظ مستعمل ہوتا، لیکن عرضہ اخیرہ

① مناهل العرفان ۱۵۱/۱

میں (آخری دَور) میں یہ اختلافات بہت حد تک کم کر دیئے گئے، اور زیادہ تر تذکیر و تانیث افراد و جمع معروف و مجہول اور لہجوں ہی کا اختلاف باقی رہا۔

④ جو اختلاف عرضۂ اخیرہ میں باقی رہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف "مصحف عثمانی" میں وہ تمام کے تمام موجود ہیں، البتہ وہ اس طرح جمع کئے گئے کہ حرکات اور نقطوں سے آیتوں کو خالی رکھا گیا اور اس طرح بیشتر قرائتیں اس میں سما گئیں۔ [1]

① یہ وضاحت یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کو نقطے اور حرکات و سکنات سے مزین کرنے کا عظیم کارنامہ مروان بن عبدالملک رحمہ اللہ کے عہدِ حکومت میں انجام پایا۔

قرآن کی کتابت اور تدوین اوّل

کتابتِ وحی

قرآن کریم جو رب کائنات کا آخری پیام اور اس کی آخری کتاب ہے، جس کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی کیونکہ کوئی نبی جس پر کتاب نازل کی جائے نہیں آئے گا، اور وحی الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیش کے لئے منقطع ہو چکا ہے:

((تَمَّ الدِّيْنُ وَانْقَطَعَ الْوَحْيُ)).

کتاب کی حفاظت کی ساری ذمہ داری خود صاحب کتاب نے لے رکھی ہے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (الحجر:۹)

"کہ ہم نے ہی کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

اس لئے کچھ ایسی تدبیریں کرنی ضروری تھیں کہ قیامت تک کے لئے اس کی حفاظت و صیانت کو ممکن بنایا جاسکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے ایسے انوکھے اور اچھوتے انتظامات کئے، جس سے اس کے ضیاع کا خطرہ جاتا رہا، لیکن چونکہ قرآن کریم بیک وقت توراۃ کی طرح نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا ضرورت و حالات کے پیش نظر مختلف مقامات پر نازل ہوا، اس لئے ابتدائے نزول کے وقت اس کی حفاظت کا پورا مدار حافظہ پر تھا، اور قرآن کریم کو امتیاز حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کتابت اور تحریری انداز سے زیادہ حفاظ کرام کے سینوں سے کرائی گئی۔

چنانچہ حدیث قدسی ہے:

((اِنِّيْ مُنَزِّلٌ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ)).

"میں آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔"

غالبًا یہی وجہ تھی کہ جب قرآن کریم نازل ہوتا تو آپ ﷺ جلدی جلدی پڑھنے کی

کوشش کرتے کہ خدانخواستہ کوئی آیت یاد کرنے سے رہ نہ جائے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی آیات کو آپ کے ذہن نشین کرائے دینے کا وعدہ فرمالیا، تب جا کر آپ کو طمانیت قلب حاصل ہوا کہ اب بھول جانے کا کوئی خطرہ نہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾ (القیامہ:١٦) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

((قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : كَانَ يُحَرِّكُ بِهٖ شَفَتَيْهِ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقِيْلَ لَهٗ : "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ يَخْشٰى أَنْ يَّنْفَلِتَ عَنْهُ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ أَنْ يَجْمَعَهٗ فِيْ صَدْرِكَ")). [1]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیاتِ قرآنی کا نزول شروع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہونٹوں کو اس خوف سے کہ "وحی" کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، جلدی جلدی حرکت دیتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ ایسا نہ کریں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آپ کے سینہ مبارک میں اسے محفوظ کردیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((وَبَيَّنَ فِيْ رِوَايَةِ إِسْرَائِيْلَ أَنَّ ذَالِكَ كَانَ خَشْيَةَ أَنْ يَّنْسَاهُ)). [2]

"اسرائیل کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ آپ کا ایسا کرنا بھولنے کے خوف سے تھا۔"

اسی طرح امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرنے کی غرض سے اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت دیتے تھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:

"إِنَّا سَنَحْفَظُهٗ عَلَيْكَ" [3]

غرض کہ اس طرح سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر قرآنِ کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ بن گیا، جس میں ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تبدیلی اور تغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

① بخاری ۲/۷۳۳ ②، ③ فتح الباری ۸/۸۸۲، کتاب التفسیر

مزید احتیاط برتتے ہوئے ہر سال حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا کرتے، اور جس سال آپ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ اور پروردگار سے جا ملے اس سال تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا۔ ①

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو صرف معانی و مفاہیم کی ہی تعلیم نہیں دی بلکہ انہیں قرآن کریم کے الفاظ بھی یاد کرائے، اور اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ترغیب دی اور طرح طرح سے حفظِ قرآن پر ابھارا، چنانچہ امام ترمذی، امام داؤد وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قاری قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ تمہاری آخری منزل وہی ہوگی جہاں تم آخری آیت پڑھو گے۔ ②

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)). ③

"کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔"

غرض کہ یہی وہ عوامل واسباب اور دواعی ومحرکات تھے جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں حفاظ کرام کی اتنی بڑی تعداد پیدا کر دی کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات صرف ایک قبیلے میں ستر ستر قرّاء کو قرآن حکیم کی تعلیم کے لئے بھیجا، چنانچہ صرف بیر معونہ کے موقعہ پر ستر قراء صحابہ کی شہادت کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ ④ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد عہدِ صدیقی میں حفاظ صحابہ کی تقریباً اتنی ہی بڑی تعداد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی، جو بارہ ہجری میں مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی۔ ⑤ اور بعض حضرات نے شہداء کی تعداد پانچ سو بیان کی ہے:

---

① دیکھئے: بخاری ۷۴۸/۲، باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبی، عن ابی ہریرۃ۔ مسلم ۲۴۵۰۲، ابوداؤد ۲۵۱۷

② دیکھئے: ابوداؤد ۱۴۶۴، ترمذی حدیث ۲۹۱۴، ابن ماجۃ حدیث ۳۷۸۰

③ بخاری حدیث ۵۰۲۸-۵۰۲۷، ابوداؤد حدیث ۱۴۵۲، ترمذی حدیث ۲۹۰۷

④ بخاری ۵۸۶/۲، عن انس بن مالک باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان، وبیر معونہ

⑤ دیکھئے: مناہل العرفان ۲۰۵/۱، الاتقان ۷۳/۱

((وَ اَنْھَاہُ بَعْضُھُمْ اِلٰی خَمْسِمِائَۃٍ)).[1]

اور ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو قراء صحابہ شہید ہوئے تھے۔[2]
ان کے علاوہ ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بے شمار ہیں جنہوں نے قرآن کے متفرق حصے یاد کر لیے تھے، یا ایسے حفاظ صحابہ جن کا تذکرہ بحیثیت حافظ قرآن نہیں ملتا کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی:

((وَ اَمَّا مَنْ جَمَعَهٗ مِنْھُمْ ، وَلَمْ یَتَّصِلْ بِنَا فَکَثِیْرٌ)).[3]

غرض کہ ابتدائے اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا، لیکن بعد کو پھر عہدِ رسالت ہی میں "کتابتِ وحی" کا بھی نظم کیا گیا اور صحابہ کی بڑی جماعت اس عظیم کام پر مامور کی گئی، جن کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

عہدِ نبوی میں کتابت قرآن:

گو کہ قرن اوّل میں قرآن کی حفاظت کا اصل مدار حافظہ پر تھا، لیکن ایسے ٹھوس اور مضبوط دلائل و شواہد موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود بھی "کتابتِ وحی" کا اہتمام فرمایا، چنانچہ کاتبِ وحی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنِّیْ قَاعِدٌ اِلٰی جَنْبِ النَّبِیِّ ﷺ یَوْمًا اِذَا وُحِیَ اِلَیْهِ قَالَ: وَ غَشِیَتْهُ السَّکِیْنَةُ وَ وَقَعَ فَخِذُهٗ عَلٰی فَخِذِیْ، حِیْنَ غَشِیَتْهُ السَّکِیْنَةُ ، قَالَ زَیْدٌ: فَلَا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُ شَیْئًا قَطُّ اَثْقَلَ مِنْ فَخِذِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ سُرِّیَ عَنْهُ فَقَالَ : "اُکْتُبْ یَا زَیْدُ" فَاَخَذْتُ کَتِفًا فَقَالَ : اُکْتُبْ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوِ الْمُجَاهِدُوْنَ... اَلْاٰیَةُ کُلُّهَا اِلٰی قَوْلِهٖ وَ اَجْرًا عَظِیْمًا" فَکَتَبْتُ ذٰلِكَ فِیْ کَتِفٍ)).[4]

"میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ان پر وحی نازل ہوئی حضرت

---

① مناهل العرفان ۱/۲۰۵ ② عمدۃ القاری ۲۰/۱۷-۱۶

③ البرهان فی علوم القرآن ۱/۲٤۲

④ مسند احمد ۵/۲٤٤ ، حدیث نمبر ۲۱٦۵٤

زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پر سکینہ طاری ہوئی، اور جس وقت سکینہ طاری ہوئی، ان کی ران میری ران پر پڑ گئی، حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے وزنی کوئی چیز کبھی بھی محسوس نہ کی، پھر ان سے یہ کیفیت دُور کر دی گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو! اے زید رضی اللہ عنہ! چنانچہ میں نے مونڈھے کی ہڈی لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ﴾ پوری آیت ﴿ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ تک چنانچہ میں نے اس آیت کو مونڈھے کی ایک ہڈی میں لکھا۔"

یہ حدیث اور اس طرح کی دوسری احادیث جو صحیح اور صریح ہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں "کتابتِ وحی" کا مکمل انتظام تھا، چنانچہ ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی سے ان الفاظ میں مروی ہے:

((بَيْنَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ)).[1]

"کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کے ٹکڑے پر قرآن کی تالیف کر رہے تھے۔"

عہدِ رسالت کے بعد جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا ارادہ فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے اس عظیم کام پر مامور کیا کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابتِ وحی کا کام کیا کرتے تھے، اس لئے قرآن کو تلاش کیجئے اور اسے جمع کیجئے۔

((كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ)).[2]

غرض کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی کتابتِ قرآن کا اہتمام کیا گیا، لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ کام صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے، بلکہ تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیئے ہیں، جن میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہدِ مبارک سے کتابتِ قرآن کا مکمل اہتمام کیا جانے لگا تھا، چنانچہ حضرت ام المومنین

---

① مسند احمد ۵/۳۳۶، حدیث نمبر ۲۱۵۹۶

② مسند احمد ۵/۲۴۱، حدیث نمبر ۲۱۶۳۳

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "ایک مرتبہ آپ پر وحی نازل ہوئی" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عثمان لکھئے!

((اُكْتُبْ عُثَيْمُ)).[1]

غرض کہ عہد رسالت میں قرآن کریم کے متعدد نسخے موجود تھے، گو وہ یکجا کتابی شکل میں موجود نہ تھے، ان میں ایک نسخہ تو وہ بھی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی یادداشت کے لئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ رکھی تھیں۔ اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا، جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ سے بھرے ہوئے اپنی بہن کے گھر پہنچے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا، جس میں سورہ طٰہٰ کی آیات لکھی ہوئی تھیں، اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انہیں پڑھا رہے تھے، جس کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔[2]

اس کے علاوہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر اپنے پاس قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے رکھ لیے تھے، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى اَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْآنِ اِلٰى اَرْضِ الْعَدُوِّ)).[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔"

نیز امام طبرانی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم مصحف سے بغیر دیکھ کر پڑھنے کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے اور دیکھ کر پڑھنے کا ثواب

---

[1] مجمع الزوائد للهيشمي ۹/۹۹، حديث نمبر ۱۴۵۲۶، باب كتابة الوحي

[2] مجمع الزوائد ۹/۵۹-۵۸، حديث ۱۴۴۱۳۔ دارقطني ۱/۱۲۹، حديث ۴۳۵، عن انس بن مالک باب نهي المحدث عن مس القرآن

[3] بخاری ۱/۴۲۰، باب كراهية السفر بالمصاحف الى ارض العدو، كتاب الجهاد

دو ہزار درجہ ہے:

((قِرَأَةُ الرَّجُلِ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَ قِرَأَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ تُضَاعَفُ عَلٰى ذٰالِكَ اَلْفَيْ دَرَجَةٍ)).[1]

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے عہد اور زمانے میں کتابتِ قرآن کا مکمل اہتمام فرمایا، کیونکہ اگر اس زمانے میں قرآن کریم کے لکھے ہوئے نسخے موجود نہ ہوتے تو یہ فرمانا کہ قرآن دیکھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے یا اسے دشمن کے علاقہ میں لے جانے کی ممانعت کیا معنی رکھتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تو یہ ممانعت بالکل بے وجہ ہو جاتی ہے، غالباً قرآن کریم کی کتابت میں انتہائی اہتمام اور بڑی ہی احتیاط ہی کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے ابتدائی زمانہ میں حدیثوں کے لکھنے سے یہ کہتے ہوئے منع فرما دیا کہ صرف قرآن ہی لکھا کرو اور جس نے اس کے علاوہ کچھ لکھا ہے تو اسے مٹا دے تا کہ دونوں کے خلط ملط ہو جانے کے اندیشہ سے بچا جا سکے۔[2]

غرض کہ قرآن کریم کی تدوین و کتابت کا دورِ اوّل اور پہلا مرحلہ عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی میں انجام دیا جا چکا تھا، گو کہ کتابی شکل میں قرآن کریم اب تک مرتب نہ ہو سکا تھا، بعد کو عہدِ صدیقی پھر عہدِ عثمانی میں ہوا۔

اشیاء کتابت

جس زمانے میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اور قرآن کریم کا نزول شروع ہوا، وہ اتنا ترقی یافتہ زمانہ نہیں تھا، خاص کر جزیرۃ العرب بہت پچھڑا ہوا علاقہ تھا، جہاں لکھنے پڑھنے کی عصری سہولیات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، نہ کاغذ کی بہتات تھی اور نہ ہی پریس کا تصور، لیکن کاغذ پایا ضرور جاتا تھا اس لئے قرآن کریم کے بعض حصے کاغذ پر بھی لکھے گئے، لیکن اکثر و بیشتر قرآنی آیات پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے

---

① مجمع الزوائد ۷/۱۶۵

② مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ٤٣٧

ٹکڑوں، کپڑے کے چھتڑوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی گئی تھیں۔ [1]

غرض کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہی وہ اشیاء تھیں جو کتابت قرآن کے کام میں لائی جاتی تھیں۔

تدوین قرآن عہد صدیقی میں

عہد رسالت ﷺ میں گو کہ قرآن کریم کو ضبط تحریر کیا جا چکا تھا، اور اس کی کتابت کا کام ہو چکا تھا، لیکن اب تک قرآن کریم کو کتابی شکل نہیں دی جا سکی تھی، اور اس کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت ہڈی پر لکھی ہوئی تھی تو کوئی سورہ چمڑے پر، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے، اسی طرح کسی صحابی کے پاس ایک سورت تھی تو کسی کے پاس دس پانچ سورتیں تھیں، اور کسی کے پاس صرف چند آیتیں تھیں، اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آیات قرآنی کے ساتھ تفسیری نوٹ بھی لکھے ہوئے تھے، اس لئے یہ ضرورت پیش آئی کہ قرآن کریم کو ایک مکمل کتابی شکل دے دی جائے، اور اس کے منتشر اور متفرق حصوں کو یک جا کر کے اس کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے، لیکن اس کی تدوین کے پس پردہ کون سے عوامل واسباب اور محرکات تھے ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعہ یمامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فکر

آفتاب نبوت کے غروب ہونے کے بعد جب ارتداد کی آگ بھڑکی، مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یمامہ کا اندوہناک واقعہ پیش آیا، جس میں حفاظ اور قراء کی ایک بڑی جماعت نے داد شجاعت دینے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا، جن کی تعداد ستر یا پانچ سو یا بعض روایات کے مطابق سات سو تھی۔ [2] اس وقت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فکر

---

[1] دیکھئے: مسند احمد ۲۴۴/۵، حدیث نمبر ۲۱۶۵۴، نیز ص ۲۳۶، حدیث نمبر ۳۱۵۹۶، فتح الباری ۱۱/۹، مجمع الزوائد باب عرض الکتاب بعد املائہ، عمدۃ القاری ۱۷/۲۰، مناھل العرفان ۲۰۵/۱۔

[2] دیکھئے مناھل العرفان ۲۰۵/۱، عمدۃ القاری ۱۷/۲۰-۱۶

دامن گیر ہوئی کہ حفاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو عجب نہیں قرآن کریم محفوظ نہ رہ سکے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس فکر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا اور جمع قرآن کا مطالبہ کیا کہ اب قرآن کریم کے منتشر اور متفرق حصوں کو کتابی شکل میں جمع کروا دیا جائے، تاکہ قرآن کریم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تردد ہوا کہ وہ ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں؟ جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں نہیں کیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار اور مراجعت کی وجہ سے بعد کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا، اور آپ رضی اللہ عنہ اس کارِ عظیم کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْتُ لِعُمَرَ، كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ عُمَرُ: هٰذَا وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللهُ صَدْرِيْ لِذَالِكَ وَرَأَيْتُ فِيْ ذَالِكَ الَّذِيْ رَأٰى عُمَرُ)). [2]

"میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تم ایسا کام کیسے کرنا چاہتے ہو جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، بخدا اس میں خیر ہی خیر ہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ برابر مجھ سے رجوع کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا (میرا شرح صدر فرما دیا) اور میں نے بھی وہ مصلحت سمجھ لی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھی تھی۔"

غرض کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار رجوع کرنے سے آپ کا یہ تردد دُور ہو گیا کہ وہ ایسا کام کیسے کریں جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا تھا، مگر غور طلب امر یہ ہے کہ آپ کا تردد اور پس و پیش بھی بے جا نہیں تھا بلکہ بجا تھا، کیونکہ پہلی امتوں نے کتاب اللہ میں تبدیلی و تحریف کی تھی، اس لئے آپ کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں یہ نیا کام تبدیلی و تحریف اور اختراع و ابداع کا سبب نہ بن جائے۔

---

① بخاری ۲/۷۴۵، دیکھئے: مسند احمد ۵/۲۴۱، حدیث نمبر ۲۱۶۳۴، مناھل العرفان ۱/۲۰۵

② بخاری ۲/۷۴۵، نیز دیکھئے، مناھل العرفان ۱/۲۰۵

يَخَافُ أَنْ يَجُرَّهُ التَّجْدِيْدُ إِلَى التَّبْدِيْلِ، أَوْ يَسُوْقَهُ الْإِنْشَاءُ وَالْإِقْتِرَاعِ))۔ ①

بہر حال اللہ کو یہ منظور تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ مصلحت عیاں ہوئی اور آپ نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا۔

تدوین قرآن اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

۱۲ ر ہجری کے اندوہناک واقعہ کے بعد جب سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کے ضیاع کی فکر دامن گیر ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ مسلسل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رجوع کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرما دیا اور وہ بھی جمع قرآن کے لئے تیار ہو گئے تو اس عظیم الشان کارنامے کی انجام دہی کے لئے امت کے دو افضل ترین اور دُور رس نگاہ کے حامل بزرگوں کی نگاہِ انتخاب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر پڑی، جنہیں بارگاہِ رسالت ہی میں "کتابتِ وحی" کی سرفرازی حاصل ہو چکی تھی، لیکن جمع قرآن ایک ایسا کام تھا جس سے عہد رسالت نا آشنا تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی وہی تردّد اور خلجان پیدا ہوا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

((وَاللهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِيْ بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتّٰى شَرَحَ اللهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ، فَقُمْتُ وَ تَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَ صُدُوْرِ الرِّجَالِ))۔ ②

"خدا کی قسم! اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر یہ اتنا گراں نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کا کام میرے لئے مشکل تھا، میں نے ان دونوں سے کہا

---

① مناهل العرفان ۱/۲۰۵

② بخاری ۲/۶۷٦، کتاب التفسیر باب قوله لقد جاء کم۔
نیز دیکھئے: بخاری حدیث نمبر ۲،٤۹۸٦/۷٤۵، باب جمع القرآن

کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جسے نبی ﷺ نے نہیں کیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بار بار رجوع کرتا رہا، حتیٰ کہ اللہ نے میرا سینہ اس رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور کھجور کی شاخوں، ہڈیوں، کپڑوں کے چھتڑے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو باب جمع القرآن میں بھی الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، اور اس روایت میں "اراجعه" کی جگہ پر "يُرَاجِعُنِي" (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار رجوع کرتے رہے) کے الفاظ منقول ہیں، لیکن یہ روایت کا کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کی تطبیق مشکل ہو، بلکہ واضح بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں رجوع کرتے رہے ہوں، اور کبھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تشفی و تسلی کرتے رہے ہوں۔

یقیناً "جمع قرآن" کا کارنامہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے کہ اگر آپ کی زندگی کے دوسرے محاسن و کمالات اور روشن باب سے یکسر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو صرف یہی ایک کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ ساری امت تا قیامت ان کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی، ان شاء اللہ آئندہ صفحات پر آپ کی زندگی کے روشن اور تابندہ نقوش تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ ذکر کئے جائیں گے، تاہم یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "جمع قرآن" کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار کیا تھا؟

جمع قرآن کا طریقہ

اس موقع پر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خود حافظ قرآن ہونے کے باوجود صرف اپنے حفظ اور یادداشت پر بھروسہ نہیں کیا، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو پورا قرآن اپنی یادداشت سے لکھ سکتے تھے یا اپنے زمانے میں موجود حفاظ قرآن (جو کہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے) کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن

لکھا جا سکتا تھا، نیز قرآن کریم کے جو نسخے عہد رسالت میں موجود تھے ان سے بھی نقل کیا جا سکتا تھا، لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مکمل احتیاط کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے صرف کسی ایک طریقہ پر جمع قرآن نہیں فرمایا، بلکہ انہوں نے ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لیا اور اس وقت تک کوئی آیت قرآن میں نہیں لکھتے تھے جب تک اس کے متواتر ہونے پر تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَكَانَ لَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ شَيْئًا حَتّٰى يَشْهَدَ شَاهِدَانِ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ زَيْدًا كَانَ لَا يَكْتَفِي بِمُجَرَّدِ وِجْدَانِهِ مَكْتُوبًا حَتّٰى يَشْهَدَ بِهِ مَنْ تَلَقَّاهُ سِمَاعًا)).①

"اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کسی سے کوئی آیت قرآنی اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک کہ اس پر دو آدمیوں کی گواہی نہ لے لیتے، اور یہ اس بات پر دال ہے کہ وہ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک اس پر وہ شخص گواہی نہ دے دیتا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔"

غرض کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انتہائی محتاط طریقہ سے قرآن کریم کے جمع کا کام کیا کرتے تھے اور ہر ممکن احتیاطی تدبیر اپناتے تھے، چنانچہ جمع قرآن میں وہ مذکورہ طریقہ کے علاوہ مندرجہ ذیل طریقوں سے تصدیق وتوثیق فرمایا کرتے تھے۔

① سب سے پہلے اپنی یادداشت سے توثیق فرماتے تھے۔

② صحیح ترین روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے معاون ومددگار کے طور پر مقرر فرما دیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت قرآنی لے کر آتا تو یہ دونوں ہی حضرات مشترکہ طور پر اس سے وصول فرماتے تھے:

أَنَّ أَبَابَكْرٍ قَالَ لِعُمَرَ وَلِزَيْدٍ! اُقْعُدَا عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَمَنْ جَاءَ كُمَا بِشَاهِدَيْنِ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاكْتُبَاهُ)).②

---

① فتح الباری ۱۰/۱۷، عسقلانی الحافظ ابن حجر، دار الفکر ۱۴۱۶

② فتح الباری ۱۰/۱۷، بحوالہ ابن ابی داؤد عن طریق ہشام بن عروہ ورجالہ ثقات

لہٰذا اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے حافظہ سے اس کی توثیق فرمایا کرتے تھے۔

④ پھر ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں سے موازنہ اور مقابلہ کیا جاتا جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیار کئے ہوئے تھے:

((إِنَّمَا طَلَبَ الْقُرْآنَ مُتَفَرِّقًا لِيُعَارِضَ بِالْمُجْتَمِعِ عِنْدَ مَنْ بَقِيَ مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ لِيَشْتَرِكَ الْجَمِيعُ فِي عِلْمِ مَا جُمِعَ)).[1]

حضرت امام ابوشامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے اور صرف حافظہ پر اکتفا کرنے کی بجائے بعینہ ان آیات سے نقل کیا جائے جو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہوں۔[2]

غرض کہ یہ اکابر صحابہ "کتابت قرآنی" میں وہ کمال واحتیاط ملحوظ رکھتے تھے جس سے زیادہ احتیاط تصور میں بھی نہیں لائی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ ساری امت کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

تدوین صدیقی کی خصوصیات

بہر حال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑی ہی احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے ان آیات کو کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔[3]

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ نسخہ بھی چمڑے یا پارچوں پر لکھا گیا تھا، لیکن علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلی روایت کو صحیح قرار دیا۔[4] چونکہ اس نسخہ میں ہر سورہ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی اس لئے یہ نسخہ متعدد صحیفوں پر مشتمل تھا[5] اور یہی نسخہ "ام" کہلاتا ہے، اور اس

---

① البرهان في علوم القرآن ٣٠٠١/١، الذركشي، دار الكتب العلميه بيروت: ١٤٠٨ه

② قال ابو شامة: كان غرضهم ان لا يكتب الا من عين ما كتب بين يدي النبي ﷺ لا من مجرد الحفظ، الاتقان ١٦٦/١

③ الاتقان ١٧/١، نیز دیکھئے: فتح الباري ١٩/١٠

④ فتح الباري ١٩/١٠، الاتقان ١٦٠/١

⑤ فتح الباري ٢٦/١٠، مناهل العرفان ٢٤٦/١-٢٤٧

کی خصوصیات یہ تھیں:

① اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آپ ﷺ کی ذکر کردہ ترتیب ہی کے مطابق مرتب تھیں، لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔ [1]

② اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔ [2]

③ یہ نسخہ خط جیری میں لکھا گیا تھا۔ [3]

④ اس میں صرف وہ آیتیں درج تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

⑤ اس کو مرتب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ایک باضابطہ ترتیب دیا ہوا نسخہ امت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ختم ہو جائے

اِنَّ جَمْعَ اَبِیْ بَکْرٍ کَانَ لِخَشْیَةِ اَنْ یَذْهَبَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْءٌ بِذَهَابِ جُمْلَتِهٖ. [4]

اور ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ رضی اللہ عنہ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اور آپ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق انہیں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کر دیا گیا [5] بعد کو مروان بن حکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ صحیفے طلب کئے تو آپ نے دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مروان نے یہ صحیفے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر اس خوف سے نذرِ آتش کر دیئے کہ بعد کو کہیں لوگ شک وشبہ میں نہ پڑ جائیں جبکہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور ترتیب سور کے لحاظ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازم اور ضروری ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((اِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِاَنِّیْ خَشِیْتُ اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ اَنْ یَرْتَابَ فِیْ شَانِ هٰذِهِ الْمُصْحَفِ مُرْتَابٌ)). [6]

---

① الاتقان ۱/۱۶۰ ② تاریخ القرآن از عبدالصمد صارم ۴۳

③ فتح الباری ۱۰/۲۶ ④، ⑤، ⑥ حوالہ سابق ۱۰/ ۲۴

جمع قرآن کا تیسرا مرحلہ اور تدوین عثمانی کے محرکات

جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی تو اس وقت تک اسلام حدود عرب سے نکل کر آفاق جہان میں اپنی کامیابی کا پرچم لہرا چکا تھا، اور ایران سے روم تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی، ایران کی آتش کدہ اور روم کے کلیسا اور ہیکلوں میں اسلام کی آہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ چنانچہ جہاں جہاں اسلام پہنچا اور وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے قرآن کریم ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے سیکھا اور پڑھا، جن کے صدقے طفیل انہیں ایمان و اسلام کی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی تھی، اور پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم "سات حروف" میں نازل ہوا تھا، مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا، چنانچہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن کی تعلیم دی، اور اس کی تلاوت سکھلائی جس قرأت کو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، اور اس طرح یہ اختلاف قرأت ہر اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسلام کی روشنی پہنچی، شروع شروع میں تو اس کا کوئی نقصان دہ اثر سامنے نہ آیا، کیونکہ لوگ اس بات سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات قرأتوں کے مطابق نازل ہوا ہے، لیکن بعد کو جب اسلام دور دراز ممالک میں پہنچا اور لوگوں میں یہ بات پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف (سات قرأتوں) میں نازل ہوا ہے تو اب لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض حضرات اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط کہنے لگے، حالانکہ ساتوں ہی قرأتیں درست اور صحیح تھیں، قرآن کریم کے بارے میں ان جھگڑوں کی وجہ سے دو انتہائی خطرناک بات پیدا ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا، جہاں ایک طرف یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قرأتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی کریں گے۔ دوسرے سوائے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ منورہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں ایسا کوئی دوسرا معیاری نسخہ موجود نہ تھا، جو پوری امت کے لئے حجت اور دلیل بن سکے۔ اور اختلاف کی صورت میں امت اس نسخہ کی طرف رجوع کرے، اس لئے کہ دوسرے جتنے بھی نسخے تھے وہ انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور اس میں ساتوں

قرأت جمع نہیں تھیں کہ امت کا سوادِ اعظم اسے قبول کر لیتا۔ اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد اور یقینی صورت یہی تھی کہ ایسے معیاری نسخے تیار کئے جائیں جس میں ساتوں قرأت جمع ہوں، اور انہیں پورے عالم اسلام میں پھیلا دیا جائے، تاکہ انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سی قرأت درست ہے اور کون سی قرأت نادرست ہے، یہی وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جو خلافتِ عثمانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور جس کی وجہ سے پوری امت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مرہون منت ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَ عَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ.

اس عظیم کارنامہ کی تفصیل متعدد روایتوں سے معلوم ہوتی ہے، جس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینہ اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، اس صورت حال نے انہیں پریشان کر دیا۔

((فَاَفْزَعَ اِخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاَةِ)).[1]

اور مدینہ منورہ واپس آتے ہی فوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے ان سے عرض کیا:

((يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ! اَدْرِكَ النَّاسَ، قَالَ وَ مَا ذَاكَ؟ قَالَ غَزَوْتُ فَرْجَ اَرْمِيْنِيَّةِ فَاِذَا اَهْلُ الشَّامِ يَقْرَؤُوْنَ بِقِرَاَةِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَيَاْتُوْنَ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ اَهْلُ الْعِرَاقِ وَ اِذَا اَهْلُ الْعِرَاقِ، يَقْرَؤُوْنَ بِقِرَاَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَيَاْتُوْنَ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ اَهْلُ الشَّامِ، فَيُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)).[2]

"اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو جائے، اس کی خبر گیری کیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا بات ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں آرمینہ کے محاذ پر جہاد کر رہا تھا، میں نے شامیوں کو دیکھا کہ وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کے

---

① دیکھئے: بخاری بحوالہ فتح الباری ۲۱/۱۰

② فتح الباری ۲۱/۱۰

مطابق پڑھتے ہیں جس کو عراقیوں نے نہیں سنا اور اہل عراق کو دیکھا کہ وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا، اور اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس خطرے کا احساس خود بھی پہلے ہی ہو چکا تھا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایک معلم اپنے شاگردوں کو ایک قرأت کے مطابق پڑھاتا ہے اور دوسرا استاذ اپنے طالب علموں کو دوسری قرأت کے مطابق پڑھاتا ہے، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردوں کی جب ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا، اور کبھی تو یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط بتلاتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے۔ پھر جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اس طرف توجہ مبذول کرائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر ان سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں، کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے، اور یہ کفر تک پہنچانے والی بات ہے، لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ آپ نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک "مصحف" پر جمع کر دیں، تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے، صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور اس کی تائید کی۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک جامع خطبہ دیا اور فرمایا کہ:

"تم لوگ مدینہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، تو وہ لوگ جو ہم سے دور ہیں ان میں یہ اختلاف اور بھی زیادہ سخت ہوگا، لہٰذا ہم تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو۔"

اسی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمیں عنایت فرمائیں وہ صحیفے مصاحف میں نقل کرنے کے بعد آپ کو واپس کر دیئے جائیں گے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک ٹیم ترتیب دی، جن میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم قریشی تھے، اور انہیں حکم فرمایا کہ آپ حضرات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحیفوں سے نقل کر کے متعدد مصاحف تیار کریں، جن میں سورتیں مرتب ہوں، اور ان حضرات کو ہدایت فرمائی کہ "اگر تمہارا اور زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کے کسی حصہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے (یعنی کون سا لفظ کس طرح لکھا جائے) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن کریم انہیں کی زبان میں نازل ہوا۔"[1]

ابتداءً یہ کام انہیں چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا گیا، لیکن بعد میں ان کی مدد کے لئے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، جن میں حضرت ابی بن کعب، حضرت کثیر بن افلح، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں۔[2]

مصحف عثمانی کی خصوصیات وامتیازات

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، مصحف عثمانی میں تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں لکھا گیا۔[3]

---

① بخاری ۷۴۶/۲

② یہ مکمل تفصیل فتح الباری ۲۴/۱۰-۲۰، اور الاتقان فی علوم القرآن ۱۶۹/۱-۱۶۷ سے ماخوذ ہے۔

③ فتح الباری ۲۲/۱۰، نیز دیکھئے: مستدرک للحاکم ۲۲۹/۲

② اس مصحف میں قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھی گئیں کہ رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں، اس لئے نہ تو اس پر نقطے لگائے گئے اور نہ ہی حرکات (زبر، زیر، پیش) تاکہ اسے تمام ہی متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، مثلاً "ںسرھا" لکھا گیا تاکہ اسے "نَنْشُرُهَا" اور "نُنْشِزُهَا" دونوں ہی طرح سے پڑھا جا سکے، کیونکہ یہ دونوں ہی قرأتیں درست اور تواتر سے ثابت ہیں۔[①]

③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن حضرات کو اس مصحف کی تیاری پر مامور کیا تھا، انہوں نے بنیادی طور پر تو ان صحیفوں کو ہی سامنے رکھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیار کئے گئے تھے، اور مزید احتیاط کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا۔ ان حضرات نے قرآن کریم کی وہ متفرق تحریریں جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھیں انہیں دوبارہ طلب کیا اور ازسرنو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کئے، تاہم اس مرتبہ سورہ احزاب کی آیت

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب: ۲۳)

علیحدہ لکھی ہوئی تھی، صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ (جن کی تنہا گواہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا تھا) کے پاس ملی۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کو یاد نہیں تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود ہی فرماتے ہیں:

((فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ "مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ، فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ)).[②]

"جس وقت ہم نے مصحف کو لکھا، اس وقت ہم نے سورہ احزاب کی ایک آیت

① مناهل العرفان ۱/۲۵۴-۲۵۳
② بخاری ۲/۷۴۶، باب جمع القرآن

جسے نبی ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا نہیں پائی پھر ہم نے تلاش کی تو یہ آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ.... الآیۃ﴾ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی تو ہم نے اسے مصحف میں لکھ دیا۔"

اس سے بالکل واضح طور پر یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح یاد تھی، اور حضرات صحابہ حضور ﷺ سے اسے سنا کرتے تھے، اور اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو صحیفے تیار کئے گئے تھے، ظاہر ہے کہ یہ آیت ان میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی نسخے تھے، ان میں بھی یہ آیت شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی طرح اس بار بھی ان تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لکھی ہوئی تھیں۔ اس لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کرام نے اس وقت تک کوئی آیت ان مصاحف میں نہ شامل کی جب تک انہیں تحریروں میں بھی وہ نہ مل گئی، گویا کہ دوسری آیت تو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تحریری شکل میں مل گئی، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کے پاس لکھی ہوئی دستیاب نہ ہوسکی۔

مصحف عثمانی کی تعداد؟

قرآن کریم کا مکمل اور معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ لکھا گیا تھا، وہ صرف ایک تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس مرتب مصحف کی متعدد نقلیں تیار کیں، لیکن ان مصاحف کی تعداد کیا تھی؟ اہل علم نے ان مصاحف کی مختلف تعداد ذکر کی ہے۔ چنانچہ مشہور یہ ہے کہ ان مصاحف کی تعداد پانچ تھی، "اَلْمَشْهُوْرُ اَنَّهَا خَمْسَةٌ"[1] لیکن ابن ابی داؤد نے حضرت حمزہ زیات کی سند سے نقل کیا ہے کہ ان مصاحف کی تعداد چار تھی۔[2] البتہ امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کل سات مصاحف تیار کئے

①، ② فتح الباری ۲۴/۱۰، دیکھئے: الاتقان ۱۷۱/۱

گئے تھے، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ، شام، بحرین، یمن، بصرہ اور کوفہ بھیجا، جبکہ ایک نسخہ مدینہ پاک میں اپنے پاس محفوظ فرما لیا۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن ابی ابوداود کے حوالے سے امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

((سَمِعْتُ اَبَا حَاتِمِ السِّجِسْتَانِيَّ يَقُوْلُ ! كُتِبَتْ سَبْعَةُ مَصَاحِفَ، فَاَرْسَلَ اِلٰى مَكَّةَ، وَالشَّامِ، وَاِلَى الْيَمَنِ وَاِلَى الْبَحْرِيْنِ، وَاِلَى الْبَصْرَةِ وَ اِلَى الْكُوْفَةِ وَ حَبَسَ بِالْمَدِيْنَةِ وَاحِدًا)).[1]

مصاحف کو جلانا؟

جب قرآن کریم کی ترتیب کا عظیم الشان کام مکمل ہو گیا اور ایک سے زائد معیاری نسخے تیار کر لئے گئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام انفرادی نسخوں کو جو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھے نذر آتش کرنے کا حکم صادر فرمایا:

((وَ اَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ يُّحْرَقَ)).[2]

ان مصاحف کے علاوہ دیگر مصاحف کو جلانے میں یہ عظیم حکمت اور مصلحت تھی کہ رسم الخط مسلّم قراٰتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو پوری تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور سراہا گیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت کی اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی ((لَمْ يُنْكِرْ ذَالِكَ مِنْهُمْ اَحَدٌ)).[3]

صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں کچھ ناراضگی ہوئی تھی، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ اور اجماع سے کیا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

((لَا تَقُوْلُوْا فِيْ عُثْمَانَ اِلَّا خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا فَعَلَ الَّذِيْ فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ

---

① فتح الباری ۲۵/۱، بحوالہ ابن ابی داؤد، نیز دیکھئے: الاتقان ۱۷۰/۱، البرہان فی علوم القرآن ۳۰۳/۱

② بخاری ۷۴۶/۱ ③ فتح الباری ۲۵/۱۰

إِلَّا عَنْ مَلَإٍ مِنَّا)).[1]

”عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چونکہ مصاحف کو جلانے کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام مشورہ اور اجماع کے بعد دیا تھا، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے ”کہ اگر یہ کام میرے سپرد ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

”حَتّٰی قَالَ عَلِیٌّ“ لَوْ وُلِّیْتُ مَا وُلِّیَ عُثْمَانُ لَعَمِلْتُ بِالْمَصَاحِفِ مَا عَمِلَ)).[2]

آیاتِ قرآنی کی ترتیب

یہ ذکر آ چکا ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر یکبارگی نازل فرمایا۔ پھر وقتاً فوقتاً انسانی ضرورت وحاجت کے پیشِ نظر قرآن کریم کی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہیں، موقع کی نزاکت اور وقت کی مصلحت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ احکام بھیجتا رہا اور اس طریقہ سے تیئس سال میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا۔ لیکن جب جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور جس سورہ کی آیت ہوتی اسی سورہ میں لکھنے کا حکم فرماتے، اور جو آیت جس مقام کی ہوتی وہیں لکھنے کا حکم دیتے۔

غرض کہ قرآن کریم کی آیات کی ترتیب من جانب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے، اور ترتیب آیات ”توقیفی“ ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((فَکَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَیْهِ الشَّیْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ کَانَ یَکْتُبُ فَیَقُوْلُ: ضَعُوْا

---

① الاتقان بحوالہ ابن ابی داؤد ۱/۱۶۹، دیکھئے: فتح الباری ۱۰/۲۵، اخرج ابن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ، البرهان ۱/۳۰۲

② البرهان فی علوم القرآن ۱/۳۰۲

هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَ كَذَا، وَإِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ فَيَقُوْلُ! ضَعُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَ كَذَا)).[1]

اس روایت کے علاوہ متعدد ایسی روایتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب توقیفی ہے، اس میں صحابہ کے اجتہاد کا کوئی دخل نہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے: "کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے آیت کریمہ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا﴾ (البقرۃ: ۲۳۴) کو قرآن کریم میں کیوں لکھا؟ جبکہ یہ آیت منسوخ ہے" تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((يَا ابْنَ اَخِيْ! لَا اُغَيِّرُ مِنْهَا شَيْئًا عَنْ مَكَانِهٖ)).[2]

"کہ اے میرے بھتیجے! قرآن کریم کی کسی آیت کو میں اس کی جگہ سے نہیں بدل سکتا ہوں۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب اس بات پر دلیل ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے:

((وَفِيْ جَوَابِ عُثْمَانَ دَلِيْلٌ، عَلٰى اَنَّ تَرْتِيْبَ الْاٰيَةِ تَوْقِيْفِيٌّ)).[3]

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ شَخَصَ بَصَرَهٗ ثُمَّ صَوَّبَهٗ ثُمَّ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَضَعَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ هٰذَا الْمَوْضِعَ مِنْ هٰذِا السُّوْرَةِ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ الٰى اٰخِرِهَا.[4]

---

① ترمذی ۵/۲۵۴، حدیث ۳۰۸۶، باب ۱۰، کتاب التفسیر۔ نیز دیکھئے: ابوداؤد، باب من جهر بها، کتاب الصلاۃ، النسائی فی الکبری، باب کتابة القرآن، تحفة الاحوذی ۸/۳۸۰

② بخاری ۲/۶۵۰، حدیث نمبر ۴۵۳۶-۴۵۳۰

③ فتح الباری ۱/۵۱ ④ اخرجه احمد باسناد حسن، الاتقان ۱/۱۷۲

”کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی، پھر نگاہ نیچی کر لی، اور فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل امین تشریف لائے اور مجھے حکم (اللہ کی طرف سے) دیا کہ میں اس آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ... الآية﴾ کو اس سورہ کے اس جگہ پر لکھوں۔“

یہ روایت اس باب سے انتہائی بے غبار اور واضح ہے کہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب توقیفی ہے، چنانچہ پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیات قرآنی کی ترتیب توقیفی ہے اور اس ترتیب کی رعایت واجب اور ضروری ہے، اس ترتیب کے خلاف قرآن کریم پڑھنا ناجائز اور نادرست ہے۔ علامہ زرکشی تحریر فرماتے ہیں:

((فَاَمَّا الْاٰيَاتُ فِيْ كُلِّ سُوْرَةٍ ، وَوَضْعُ الْبَسْمَلَةِ فِيْ اَوَائِلِهَا فَتَرْتِيْبُهَا تَوْقِيْفِيٌّ بِلَا شَكٍّ ، وَلَا خِلَافَ فِيْهِ، وَبِهٰذَا لَا يَجُوْزُ تَعْكِيْسُهَا)).[1]

”تمام سورتوں میں آیات کی ترتیب اور ابتداء میں بسم اللہ لکھنا بلاشبہ توقیفی ہے اور جس میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے اس ترتیب کے خلاف کرنا جائز نہیں۔“

جبکہ قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی میں ترتیب کی رعایت ایک واجب الاتباع اور لازمی حکم ہے۔

((تَرْتِيْبُ الْاٰيَاتِ اَمْرٌ وَاجِبٌ وَحُكْمٌ لَازِمٌ)).[2]

سورتوں کی ترتیب؟

آیاتِ قرآنی کی ترتیب کے من جانب اللہ اور توقیفی ہونے پر اجماع کے باوجود سورتوں کی ترتیب کے باب میں اہل علم سے تین طرح کے اقوال منقول ہیں:

① قرآن کریم کی سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی نہیں ہے اور یہ ترتیب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے قائم کی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے یہ ذمہ داری امت کے سپرد فرمائی تھی۔

---

① البرہان ۱/۳۲۳

② البرہان ۱/۳۲۳، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے الاتقان ۱/۱۷۴-۱۷۱

یہ قول جمہور علماء کا ہے اور یہی رائے امام مالک، قاضی ابوبکر بن طیب رحمۃ اللہ علیہما کی ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

((مَذْهَبُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ مَالِكٌ، وَالْقَاضِيْ أَبُوْبَكْرِ بْنُ الطَّيِّبِ إِلَى الثَّانِيْ وَأَنَّهُ ﷺ فَوَّضَ ذَالِكَ إِلَى أُمَّتِهِ بَعْدَهُ)).[1]

قاضی ابو محمد بن عطیہ اور ابو جعفر بن زبیر رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی اکثر سورتوں کی ترتیب تو نبی ﷺ کی زندگی ہی میں عمل میں آ چکی تھی، یعنی ان سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور نبی ﷺ کے حکم کے مطابق ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب کی ذمہ داری امت کو سپرد کی گئی ہو۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((وَمَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ إِلَى أَنَّ كَثِيْرًا مِنَ السُّوَرِ كَانَ قَدْ عُلِمَ تَرْتِيْبُهَا فِيْ حَيَاتِهِ ﷺ، كَالسَّبْعِ الطُّوَلِ[2] وَالْحَوَامِيْمِ وَالْمُفَصَّلِ، وَأَنَّ مَاسِوَى ذَالِكَ يُمْكِنُ أَنْ يَكُوْنَ قَدْ فُوِّضَ الْأَمْرُ إِلَى الْأُمَّةِ)).[3]

"ابن عطیہ کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی بہت ساری سورتیں مثلاً سات طویل سورتیں حوامیم اور مفصل کی ترتیب نبی ﷺ کے زمانہ میں انجام پا چکی تھی، ہاں ممکن ہے کہ ان کے علاوہ جو سورتیں ہیں ان کی ترتیب کی ذمہ داری امت کو سپرد کی گئی ہو۔"

حضرت ابو جعفر بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کہ قرآن کریم کی بیشتر سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور بہت کم ایسی سورتیں ہیں جن میں صحابہ کے اجتہاد و قیاس کا دخل ہے، زیادہ تر روایتیں اسی بات پر شاہد عدل ہیں:

((اَلْآثَارُ تَشْهَدُ بِأَكْثَرَ مِمَّا نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ عَطِيَّةَ)).[4]

---

① البرہان ۳۲۵/۱

② سبع طول سے مراد سورہ بقرہ تا سورہ برأت ہے، حوامیم سے مراد وہ سورتیں ہیں جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں، جبکہ مفصل سے مراد چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔ (دیکھئے الاتقان ۱۷۸/۱-۱۷۹)

③ الاتقان ۱۷۶/۱، دیکھئے: البرہان ۳۲۵/۱ ④ البرہان ۳۲۵/۱

اور مسلم کی روایت

((اِقْرَءُوْا الزَّهْرَ اوَيْنِ الْبَقَرَ وَ آلِ عِمْرَانَ)).①

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سورتوں کی موجودہ ترتیب نبی ﷺ کی بنائی ہوئی ترتیب کے مطابق ہے۔ یعنی ان کی ترتیب توقیفی ہے نہ کہ اجتہادی، ان حضرات نے سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ جب سونے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے تو سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دستِ مبارک پر پھونکتے اور چہرے اور بدن اور سر پر مسح فرماتے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ اِذَا آوىٰ اِلىٰ فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَسَ فِيْهَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا)).②

غرض کہ ذخیرۂ حدیث میں اس طرح کی متعدد روایتیں موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔

③ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور یہ من جانب اللہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قائم کی گئی ہے۔ اس ترتیب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا کسی دوسرے کے اجتہاد اور رائے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ مشہور محدث امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كَانَ الْقُرْآنُ عَلىٰ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مُرَتَّبًا سُوْرَةً وَ آيَةً عَلىٰ هٰذَا التَّرْتِيْبِ اِلَّا الْاَنْفَالُ وَ بَرَاءَةٌ، لِحَدِيْثِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)).③

"کہ قرآن کریم کی سورتیں اور آیات موجودہ ترتیب کے مطابق عہد رسالت ہی سے ہیں سوائے سورہ انفال اور براۃ کے، اس کی ترتیب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے قائم فرمائی ہے۔"

---

① مسلم ۱/۲۷۰، باب فضل قرأۃ القرآن و سورۃ البقرۃ

② بخاری ۲/۷۵، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، باب فضل المعوذات

③ المدخل للامام بیہقی بحوالہ الاتقان ۱/۱۷۶

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اس باب میں بالکل ہی بے غبار ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے، سوائے سورہ براۃ اور سورہ انفال کے کہ اس کی ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے قائم فرمائی ہے:

((قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ مَا حَمَلَكُمْ اَنْ عَمَدْتُمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَ هِيَ مِنَ الْمَثَانِي، وَاِلٰى بَرَائَةِ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ وَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ، مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذَالِكَ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا يَاْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ: ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَ كَذَا وَ كَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَا اُنْزِلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَ كَانَتْ بَرَائَةٌ مِنْ آخِرِ الْقُرْاٰنِ وَ كَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً فَظَنَنْتُ اَنَّهَا مِنْهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجَلِ ذَالِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَ لَمْ اَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، فَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ)).[1]

"میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے سورہ انفال اور سورہ براۃ کو بغیر بسم اللہ کے لکھے کیوں لکھا؟ حالانکہ انفال مثانی میں سے ہے اور براۃ مئین میں سے ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب متعدد آیتیں نازل ہوتیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور ان سے کہتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ کے فلاں مقام پر لکھو اور جب ایک آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورہ کی فلاں آیت کے بعد لکھو، اور سورہ انفال ان سورتوں میں ہے جو مدینہ میں ابتدائی دور میں نازل ہوئیں، جبکہ سورہ براءۃ اخیر دور میں نازل ہوئی اور چونکہ دونوں ہی

① ترمذی ۵/۲۵۴، حدیث ۳۰۸۶، دیکھئے: ابوداؤد ۱/۱۱۴، باب من جهر بها كتاب الصلاة

سورتوں کے واقعات وقصص ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں، اس لئے میں نے خیال کیا کہ سورۃ براءۃ سورہ انفال ہی کا جز ہے، اور پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ نے ان دونوں سورتوں کے سلسلہ میں کوئی ہدایت نہیں فرمائی، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو ایک جگہ لکھوایا اور ان دونوں کے درمیان "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں لکھا، اور اسے میں نے سات طویل سورتوں میں شامل کر دیا۔

یہ روایت اور اس طرح کی دوسری متعدد روایتیں ایسی ہیں جس سے آیات کی ترتیب کی طرح سورتوں کی ترتیب کا بھی توقیفی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی یہ نہایت ہی چشم کشا روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ ، وَ أُعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِيْنَ ، وَ أُعْطِيتُ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ الْمَثَانِي وَ فُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ)).[1]

"مجھے تورات کی جگہ سات طویل سورتیں، زبور کی جگہ مئین اور انجیل کے عوض مثانی عنایت کی گئی، جبکہ مجھے مفصل کے ذریعہ فضیلت عطا کی گئی۔"

ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا نام بنام ترتیب کے ساتھ ذکر فرمانا اس بات کی واضح اور بین دلیل ہے کہ سورتوں کی ترتیب آپ ﷺ کے حکم سے آپ ہی کے مبارک زمانہ میں قائم کی گئی ہے، چنانچہ ابن حصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب "وحی" کے ذریعہ قائم کی گئی ہے۔[2]

علوم اسلامی کے رمز شناس علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تمام اقوال کو بڑے ہی شرح بسط اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں:

((قُلْتُ: وَ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ تَوْقِيفِيٌّ كَوْنُ الْحَوَامِيمِ رُتِّبَتْ وِلَاءً ، وَ

---

① مجمع الزوائد و منبع الفوائد ۱۶۱/۷، باب فضل القرآن ط: مؤسسۃ المعارف، بیروت
② الاتقان ۱۷۷/۱

كَذَا الطَّوَاسِيْنُ، وَ لَمْ تُرَتَّبِ الْمُسَبِّحَاتُ وِ لَاءً بَلْ فُصِلَ بَيْنَ سُوَرِهَا، وَ فُصِّلَ طٰسٓمٓ الشُّعَرَاءُ وَ طٰسٓمٓ الْقَصَصُ بِطٰسٓ مَعَ أَنَّهَا أَقْصَرُ مِنْهَا، وَلَوْ كَانَ التَّرْتِيْبُ اِجْتِهَادِيًّا لَذُكِرَتِ الْمُسَبِّحَاتُ وِلَاءً وَ أُخِّرَتْ طٰسٓ عَنِ الْقَصَصِ وَالَّذِيْ يَنْشَرِحُ لَهُ الصَّدْرُ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْبَيْهَقِيُّ وَهُوَ أَنَّ جَمِيْعَ السُّوَرِ تَرْتِيْبُهَا تَوْقِيْفِيٌّ إِلَّا بَرَاءَةً وَالْأَنْفَالَ)). [1]

"میرا خیال ہے کہ حٰمٓ اور طٰسٓ سے شروع ہونے والی سورتوں کا لگاتار ذکر کرنا، اور سَبَّحَ سے شروع ہونے والی سورتوں کے درمیان فصل کرنا، اسی طرح سورہ شعراء اور قصص کے درمیان سورہ نمل کا لکھنا جبکہ دونوں ہی سورتیں طٰسٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں اور سورہ نمل ان دونوں سے چھوٹی بھی ہے، اس بات پر دلیل ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، کیونکہ اگر اس ترتیب میں اجتہاد کا دخل ہوتا ہے اور ترتیب اجتہاد اور رائے کے ذریعہ قائم کی گئی ہوتی تو سَبَّحَ کے لفظ سے شروع ہونے والی سورتوں کو بھی لگاتار بغیر کسی فصل کے ذکر کیا جاتا، اور طٰسٓ (نمل) کو قصص کے بعد رکھا جاتا، اور مجھے امام بیہقی کی اس رائے پر شرح صدر ہے کہ سورہ براءۃ اور سورہ انفال کے علاوہ تمام سورتوں کی (موجودہ) ترتیب توقیفی ہے نہ کہ اجتہادی۔"

اور یہی رائے اس کم مایہ اور کوتاہ علم کی ہے کہ قرآن کریم کی آیات ہی کی طرح قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی اور من جانب اللہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل کے اقدامات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدوین اور ترتیب کے بعد امت کا اس پر اجماع رہا ہے کہ قرآن کریم خط عثمانی کے علاوہ دوسرے کسی خط میں لکھنا جائز نہیں اور ابن فارسی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا رسم الخط بھی توقیفی اور من جانب اللہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا: ﴿عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ اور ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ [2]

---

[1] الاتقان ۱/۱۷۸ [2] الاتقان ۳/۴۶۹، نوع ۷۶

اس لئے اس رسم الخط کی اتباع لازمی اور ضروری ہے، چنانچہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقہ کے مطابق لکھے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے "مصحف عثمانی" کی نقول تیار کر کے قرآن کریم کی بڑی وسیع پیمانہ پر اشاعت فرمائی۔

لیکن جب اسلام عرب سے نکل کر عجمی (غیر عربی) ممالک میں بڑی ہی تیز رفتاری سے پھیلا اور اہل عجم نے نقطے اور حرکات کے نہ ہونے کی وجہ سے تلاوت قرآن میں دقت اور دشواری محسوس کی تو ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن کریم میں جو کہ اب تک نقطے اور زبر و زیر اور پیش سے خالی تھا، اعراب اور حرکات کا اضافہ کیا جائے تا کہ پوری امت خواہ عربی ہوں یا عجمی بآسانی تلاوت کر سکے، اس مقصد کے لئے مختلف کوششیں اور اقدامات کئے گئے جن کی مختصر تاریخ اس طرح ہے:

نقطے

ابتدائی دور میں عرب نقطے سے خالی غیر منقوط حروف لکھتے تھے اور ان میں خالی حروف لکھنے کا رواج عام تھا اور پڑھنے والے اس طرز تحریر کے اتنے عادی تھے کہ وہ غیر منقوط تحریر بنا کسی دشواری اور پریشانی کے پڑھ لیتے تھے، اور سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں آسانی سے امتیاز برتتے تھے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عرب نقطوں کو معیوب سمجھتے تھے، چنانچہ مدائنی جو اپنے دور کے ایک بڑے مؤرخ ہیں، انہوں نے کسی ادیب کا یہ مقولہ نقل کیا ہے:

((كَثْرَةُ النُّقَطِ فِي الْكِتَابِ سُوءُ ظَنٍّ بِالْمَكْتُوبِ إِلَيْهِ)).[1]

"تحریر میں کثرت سے نقطے لگانا مکتوب الیہ کی ذکاوت اور فہم سے بدگمانی کے مترادف ہے۔"

غرض کہ اسی عمومی رواج کی وجہ سے مصحف عثمانی کو نقطوں سے خالی رکھا گیا، اس کے علاوہ ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ اس میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں، لیکن بعد کو ہم عجمی اور کم پڑھے لکھے عام مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کی غرض سے قرآن کریم میں نقطے لگوائے گئے

---

[1] صبح الاعشی للقلقشندی ۳/۱۵۴

اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے لگائے، اور یہ کارنامہ کس کے دَورِ حکومت میں انجام پایا، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((اُخْتُلِفَ فِيْ نُقَطِ الْمُصْحَفِ وَشَكْلِهٖ)).[1]

بعض روایتیں کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسود دوَلی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔[2]

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ کارنامہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلقین اور حکم سے انجام دیا۔[3] جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر یہ کام کیا[4] لیکن ابوالفرج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے یہ کام کروایا۔[5] ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حضرت حسن بصری، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی رحمۃ اللہ علیہم کے ذریعہ انجام دیا۔[6] لیکن فن بلاغت اور ادب کے امام علامہ جاحظ (۲۵۵ متوفی) کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نقطے نصر بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے لگائے، اسی لئے انہیں ناصر الحروف کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[7]

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس نے قرآن کریم پر نقطے لگائے وہی شخص نقطوں کا موجد بھی ہے، اس سے پہلے نقطوں کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن رسم الخط اور فن انشاء کے امام اور محقق علامہ قلقشندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید فرمائی ہے، ان کا خیال ہے کہ نقطوں کی ایجاد اس سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ایک روایت کے مطابق قبیلہ بولان کے مرارہ بن اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ رسم الخط کے موجد ہیں، مرارہ نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل اور وصل کے طریقے وضع کیے اور عامر نے نقطے وضع کیے۔[8]

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ نقطوں کا استعمال سب سے پہلے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے دادا ابوسفیان بن امیہ نے کیا ہے، انہوں نے یہ فن حیرہ کے باشندوں سے

---

① الاتقان ۱/۸۲ ② البرھان ۱/۳۱۷، عن المبرد نیز دیکھئے: الاتقان ۲/۴۸۲
③ صبح الاعشی ۲/۱۵۵ ④ الاتقان ۲/۴۸۲
⑤ البرھان ۱/۳۱۷، نوع ۱۴ ⑥ قرطبی ۳/۶۳، دیکھئے: تاریخ القرآن لکردی ص ۱۸۱
⑦ البرھان ۱/۳۱۷ ⑧ صبح الاعشی ۳/۱۲

سیکھا تھا اور اہل حیرہ نے انبار والوں سے یہ فن سیکھا۔ [1]

غرض کہ نقطوں کا ایجاد تو بہت پہلے ہو چکا تھا، البتہ قرآن کریم متعدد مصلحتوں کی وجہ سے نقطوں سے خالی رکھا گیا، بعد کو جس نے بھی قرآن کریم کو نقطوں سے مزین کیا وہ نقطے کا موجد نہیں، بلکہ صرف قرآن کریم میں اس کے استعمال میں اس کو اولیت حاصل ہے لیکن علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالحسین بن فارسی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ کسی بھی زبان خواہ عربی ہو یا سریانی میں کتاب سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی وفات سے تین سو سال پہلے لکھی، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کتاب کو مٹی پر لکھ کر پکایا، لیکن جب زمین میں سیلاب آیا تو ہر قوم نے اپنی کتاب (رسم الخط) حاصل کر لیا، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حصے میں کتاب عربی (رسم الخط) آئی جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "سب سے پہلے عربی کتاب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے لکھی۔ [2]

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسم الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرارہ بن مرہ وغیرہ نہیں بلکہ یا تو سیدنا آدم علیہ السلام نے ہی تمام رسم الخط خواہ عربی ہو یا کوئی اور کو وجود بخشا، یا پھر عربی رسم الخط کا ایجاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مرہون منت ہے، کیونکہ رسم الخط کے بغیر عربی یا دیگر کسی زبان میں کتاب لکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔ واللہ اعلم بالصواب

حرکات

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر، زبر، پیش) وغیرہ بھی نہیں تھے، اس سلسلہ میں بھی روایتیں مختلف ہیں کہ سب سے پہلے حرکات لگانے کا کارنامہ کس نے انجام دیا؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ کام بھی سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر کیا۔ [3]

جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ کام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، اور ایک روایت ہے کہ یہ کام نصر بن عاصم لیثی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، [4] کچھ لوگوں کا کہنا ہے

---

① صبح الاعشیٰ ۱۲/۳ ② البرہان ۴۵۸/۱، نوع ۲۵
③ الاتقان ۴۸۲/۲ ④ حوالہ سابق

کہ ان حضرات سے یہ کام حجاج بن یوسف نے کروایا[1] اگر اس سلسلے کی تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ "حرکات" سب سے پہلے تو ابوالاسود دؤلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی وضع کیے لیکن شروع کے دور میں "حرکات" کی شکل اس طرح نہ تھی جیسی آج ہے، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ (ـ◆ـ) زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ (◆) اور پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ (ـ◆) اور تنوین کے لئے دو نقطے (ـ◆◆) مقرر کئے گئے تھے۔[2] بعد کو خلیل بن احمد نے حرکات کی موجودہ شکل کے علاوہ ہمزہ اور تنوین کی علامات وضع کیں۔[3]

پھر بعد کو حجاج بن یوسف نے حضرت حسن بصری، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم رحمۃ اللہ علیہم سے بیک وقت نقطے اور حرکات سے قرآن کریم کو آراستہ اور مزین کرنے کی فرمائش کی اور اب حرکات کے لئے نقطوں کے بجائے زیر، زبر، پیش کی موجودہ صورتیں متعین کی گئیں، تاکہ حروف کے اصل نقطوں سے اشتباہ نہ ہو۔ واللہ اعلم

اخماس اور اعشار

ابتدائی زمانے کے قرآنی نسخوں میں اس علامت کا بھی رواج تھا کہ ہر پانچ آیت کے بعد "خمس" یا "خ" اور دس آیت کے بعد "عشر" یا "ع" کی علامت لکھی جاتی تھی، کہا جاتا ہے کہ ان علامتوں کی ایجاد عباسی خلیفہ مامون کے حکم سے عمل میں آئی، جبکہ بعض حضرات نے اس کی نسبت حجاج بن یوسف کی طرف کی ہے[4] لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست نہیں معلوم ہوتے کہ خود عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں "اعشار" کا تصور ملتا ہے۔ مصنف ابن شیبہ میں یہ روایت ہے:

((عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللهِ أَنَّهٗ كَرِهَ التَّعْشِيْرَ)).[5]

"حضرت مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مصحف میں اعشار کا نشان ڈالنے کو

---

① قرطبی ۱/۶۳ ② الاتقان ۲/۴۸۴
③ حوالہ سابق ۲/۴۸۲-۴۸۴ ④ البرہان ۱/۳۱۷
⑤ مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۹۷ کتاب الصلاۃ

مکروہ سمجھتے تھے۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "اعشار" کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد ہی میں پیدا ہو چکا تھا، پہلی قسم کی علامت کو "اخماس" اور دوسری قسم کی علامت کو "اعشار" کہا جاتا ہے۔

اخماس، اعشار، نقطے اور حرکات اور متقدمین علماء

متقدمین علماء میں اختلاف رہا ہے کہ "اخماس، اعشار" کی علامتیں قرآن کریم میں لگانا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ صحابہ میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ "اعشار" کو مکروہ سمجھتے تھے۔ [1] حضرت مجاہد، علامہ حلیمی، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی "اعشار" اور "اخماس" کی علامتوں کو ناجائز اور نادرست سمجھتے تھے۔ [2] اسی طرح نقطوں کے سلسلے میں بھی متقدمین علماء میں اختلاف رائے نظر آتا ہے، چنانچہ ابراہیم نخعی، ابوالعالیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم (ایک روایت کے مطابق) قرآن کریم میں نقطے لگائے جانے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جبکہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن، علامہ حلیمی (ایک روایت کے مطابق) امام بیہقی اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نقطوں کو جائز ہی نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن بتلاتے ہیں، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قَالَ النَّوَوِیُّ: نَقْطُ الْمُصْحَفِ وَ شَکْلُهٗ مُسْتَحَبٌّ لِاَنَّهٗ صِیَانَةٌ لَهٗ مِنَ اللَّحْنِ وَالتَّحْرِیْفِ)). [3]

"مصحف میں نقطے اور اعراب لگانا مستحب ہے، اس لئے کہ اس سے فحش غلطی اور تحریف سے بچا جا سکتا ہے۔"

احزاب یا منزلیں

عام طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہ معمول تھا کہ ہفتہ میں قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے پیشِ نظر ان حضرات نے یومیہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کر لی تھی، جسے "حزب" یا منزل کہا جاتا تھا، اس طرح قرآن کریم کل سات احزاب یا منزلوں پر تقسیم کیا گیا، چنانچہ حضرت اوس بن حذیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا:

---

[1] حوالہ سابق، نیز دیکھئے: الاتقان ۲/۴۸۲ [2] الاتقان ۲/۴۸۳ [3] حوالہ سابق

((كَيْفَ تُحَزِّبُوْنَ الْقُرْآنَ ؟ قَالُوْا : ثَلَاثٌ وَ خَمْسٌ ، وَ سَبْعٌ، وَ تِسْعٌ، وَإِحْدَىٰ عَشْرَ ، وَ ثَلَاثَ عَشْرَ وَ حِزْبُ الْمُفَصَّلِ مِنْ "ق" حَتّٰى يَخْتِمَ)). ①

"آپ نے قرآن کریم کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں فرمایا: ایک حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ سورتوں کا، تیسرا سات سورتوں کا چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا چھٹا تیرہ سورتوں کا اور آخری حزب مفصل میں "ق" سے آخر تک۔"

اجزاء یا پارے

آج کل قرآن کریم کل تیس اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تیس پارے بھی کہتے ہیں، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ مقدار کے اعتبار سے ہے، بچوں کی تعلیم میں سہولت اور آسانی کے مقصد سے اس طرح پاروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے، یہ تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ پاروں کی یہ تقسیم کب سے ہے اور کس نے کی؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے مصاحف کے نقل کے وقت اسے تیس علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں لکھوایا تھا۔ لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔② لیکن علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے تیس پارے مشہور ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے، اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے۔③

رکوع

رکوع کی علامت کا رواج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد ہوا اور آج بھی جاری ہے، اور اس کی تعیین معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک بات مکمل ہوئی اور سلسلہ کلام ختم ہوا، وہاں حاشیہ پر "ع" رکوع کی علامت بنا دی گئی، بعض حضرات کا خیال ہے

---

① البرہان ۱/۳۱۶، بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ

② تاریخ القرآن از مولانا عبدالصمد صارم ص ۸۱۔

③ البرہان ۱/۳۱۶ دیکھئے: مناہل العرفان ۱/۴۰۲

کہ اس علامت کا رواج بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا، اور رکوع کی تعیین بھی آپ ہی کے زمانے میں کی گئی تھی۔ ① لیکن اتنی بات تو یقینی اور محقق ہے کہ اس علامت کا مقصد قرآن کریم کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے، جو ایک رکعت میں پڑھی جا سکے، اور اس کو رکوع، اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں نماز میں رکوع کیا جائے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

((وَ حُكِيَ أَنَّ الْمَشَائِخَ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰى جَعَلُوا الْقُرْآنَ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ وَ اَرْبَعِيْنَ رُكُوْعًا وَ اَعْلَمُوْا ذَالِكَ فِي الْمَصَاحِفِ حَتّٰى يَحْصُلَ الْخَتْمُ فِي اللَّيْلَةِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِيْنَ)). ②

"بیان کیا جاتا ہے کہ مشائخ نے قرآن کریم پانچ سو چالیس رکوع پر ختم کیا ہے، اور مصاحف میں اس کی علامتیں بنا دی ہیں تا کہ (تراویح میں) ختم قرآن ستائیس کی شب میں ہو سکے۔"

سورتوں کی تعداد؟

پوری امت کا اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن کریم یعنی مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو چودہ ہے، لیکن چونکہ سورہ انفال اور سورہ توبہ کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے، اس لئے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو تیرہ ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ معوذتین کو ابتداء میں قرآن کریم کا جزء نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کو دعا سمجھتے تھے، اس لئے ان کے مصحف میں سورتوں کی تعداد صرف ایک سو بارہ تھی، لیکن بعد کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔ ③

اس لئے اب پوری امت کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَ اعْلَمْ اَنَّ عَدَدَ سُوَرِ الْقُرْآنِ بِاتِّفَاقِ اَهْلِ الْحِلِّ وَالْعَقْدِ مِائَةٌ وَ

① تاریخ القرآن، از صارم ص ۸۱
② ھندیہ ۸۸/۱، فصل فی التراویح، بیروت لبنان
③ البرھان ۳۱۷/۱

أَرْبَعَةَ عَشَرَةَ سُوْرَةٍ كَمَا فِي الْمُصْحَفِ الْعُثْمَانِيِّ أَوَّلُهَا الْفَاتِحَةُ وَ آخِرُهَا النَّاسُ)).[1]

آیات، کلمات اور حروف کی تعداد؟

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے بصرہ کے تمام قراء کو جمع کیا، پھر ان قراء میں سے حضرت حسن بصری، ابوالعالیہ، نصر بن عاصم، عاصم الجحدری اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہم سے قرآن کریم کے حروف وکلمات شمار کرنے کی فرمائش کی، چنانچہ یہ حضرات "جو" کی مدد سے لگاتار چار ماہ تک قرآن کریم کے حروف اور کلمات کو شمار کرتے رہے، پھر ان حضرات نے اس جہد مسلسل کے بعد قرآن کریم کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو اُنتالیس (۷۷۴۳۹) اور حروف کی تعداد تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ (۳۲۳۰۱۵) بیان کی، جبکہ آیات کی تعداد چھ ہزار (۶۰۰۰) بتلائی ہے۔[2] لیکن علامہ فضل بن شاذان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۲۶۰ھ) نے قرآن کریم کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو سینتالیس (۷۷۴۴۷) ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کریم کے حروف کی تعداد تین لاکھ اکیس ہزار (۳۲۱۰۰۰) نقل کی ہے۔ اس کے برخلاف اسلام ابومحمد حمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حروف کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔[3]

قرآن کریم کے اسماء؟

اللہ رب العزت نے کتاب ہدایت "یعنی قرآن کریم کو مختلف مقامات پر متعدد ناموں سے یاد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اسماءِ قرآن پر کتابیں لکھی ہیں، اور قرآن حکیم کے نوّے (۹۰) سے زائد اسماء ذکر کیے ہیں، لیکن قاضی ابوالعالی عزیز بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کے پچپن (۵۵) نام ذکر کیے ہیں:

① حٰمٓ ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝﴾ (الدخان:۱)

② قرآن ﴿إِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ (الواقعۃ:۷۷)

---

① البرهان ۱/۳۱۷ ② البرهان ۱/۳۱٤ ③ البرهان ۱/۳۱۵

③ کَلَامٌ ﴿حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:٦)

④ نُوْرٌ ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ (النساء:١٧٤)

⑤ هِدَایَتٌ ﴿هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ﴾ (لقمان:٣)

⑥ رَحْمَتٌ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا﴾ (یونس:٥٨)

⑦ فُرْقَانٌ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ﴾ (الفرقان:١)

⑧ شِفَاءٌ ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾ (الاسراء:٨٢)

⑨ مَوْعِظَتٌ ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (یونس:٥٧)

⑩ ذِكْرٌ ﴿وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ (الانبیاء:٥٠)

⑪ كَرِیْمٌ ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ﴾ (الواقعہ:٧٧)

⑫ عَلِیٌّ۔ یعنی بلند و برتر چیز ﴿وَ اِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ﴾ (الزخرف:٤)

⑬ حِكْمَتٌ ﴿حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ﴾ (القمر:٥)

⑭ حَكِیْمٌ ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ﴾ (یونس:١)

⑮ مُهَیْمِنٌ۔ نگہبان ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ﴾ (المائدہ:٤٧)

⑯ مُبَارَكٌ ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ﴾ (صٓ:٢٩)

⑰ حَبْلٌ۔ بمعنی رسی، ڈور ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ (آل عمران:١٠٣)

⑱ صِرَاطِ مُسْتَقِیْمٌ۔ یعنی سیدھی راہ ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ (الانعام:١٥٣)

⑲ قَیِّمٌ۔ یعنی مضبوط، سیدھا ﴿وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا﴾ (الکہف:١-٢)

⑳ فَصْلٌ ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ (الطارق:١٣)

㉑ نَبَاءِ عَظِیْمٌ۔ یعنی عظیم الشان خبر ﴿عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ﴾ (النباء:١-٢)

㉒ اَحْسَنَ الْحَدِیْثُ۔ یعنی سب سے اچھی بات ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ﴾ (الزمر:٢٣)

㉓ تَنْزِيْلٌ ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الشعراء:۱۹۲)
㉔ رُوْحٌ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ:۵۲)
㉕ وَحْيٌ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ﴾ (الانبیاء:۴۵)
㉖ اَلْمَثَانِيْ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ (الحجر:۸۷)
㉗ عَرَبِيٌّ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ (الزمر:۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عربی سے مراد قرآن کریم کا غیر مخلوق ہونا ہے۔(البرہان:۱/ ۳۴)

㉘ قَوْلٌ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ﴾ (القصص:۵۱)
㉙ بَصَآئِرُ ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ (الجاثیہ:۲۰)
㉚ بَيَانٌ ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۳۸)
㉛ عِلْمٌ ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (الرعد:۳۷)
㉜ حَقٌّ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ (آل عمران:۶۲)
㉝ هَادِيْ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ﴾ (الاسراء:۹)
㉞ عَجَبٌ۔ یعنی انوکھی چیز ﴿قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ (الجن:۱)
㉟ تَذْكِرَةٌ ﴿اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ﴾ (المدثر:۵۴)
㊱ اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى۔ یعنی مضبوط ڈور ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (لقمان:۲۲)
㊲ مُتَشَابِه ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾ (الزمر:۲۳)
㊳ صِدْقٌ ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ (الزمر:۳۳)
㊴ عَدْلٌ ﴿كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام:۱۱۵)
㊵ اِيْمَانٌ ﴿سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (آل عمران:۱۹۳)
㊶ اَمْرٌ۔ یعنی حکم الٰہی ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ (الطلاق:۵)
㊷ بُشْرٰى۔ یعنی خوشخبری ﴿هُدًى وَّبُشْرٰى﴾ (النحل:۱۰۲)

43 مَجِیْدٌ ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ﴾ (البروج:۲۱)

44 زَبُوْرٌ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ﴾ (الانبیاء:۱۰۵)

45 مُبِیْنٌ ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ (یوسف:۱)

46 بَشِیْرٌ وَ نَذِیْرٌ۔ یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ﴾ (فصلت:۴)

47 عَزِیْزٌ ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ﴾ (فصلت:۴۱)

48 بَلَاغٌ ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ (ابراہیم:۵۲)

49 قَصَصٌ ﴿اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ (یوسف:۳)

50 صُحُفٌ ﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ﴾ (عبس:۱۳)

51 مُكَرَّمٌ (قابلِ احترام) ﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ﴾ (عبس:۱۳)

52 مَرْفُوْعٌ (بلند) ﴿مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾ (عبس:۱۴)

53 مُطَهَّرٌ ﴿مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾ (عبس:۱۴) [1]

جامع قرآن کون؟

پوری تفصیل کے ساتھ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی کتابت وتحریر کا کام نبی مکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہی ہوا تھا، البتہ پورا قرآن کریم کسی ایک جگہ جمع نہیں تھا، بلکہ قرآن کریم کی مختلف سورتیں اور آیات مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھیں۔ بعد کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کریم کی تدوین و ترتیب کا کام انجام پایا، اور باضابطہ قرآن کریم کے کتابی نسخے تیار کیے گئے، لہٰذا قرآن کریم کے مدوّن اوّل اور جامع قرآن سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ گو کہ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا کارنامہ انجام دیا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ سیدنا

---

[1] یہ تمام تفصیلات البرہان فی علوم القرآن ار ۳۴۴-۳۴۵، نوع ۱۵ سے ماخوذ ہیں۔
نیز دیکھئے تفسیر کبیر ۲/ ۱۸-۱۴-۱۳

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آیات اور سورتوں کی ترتیب کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور امت کو انتشار و اختلاف سے بچایا، اور پوری امت کو ایک مصحف پر جمع فرمایا (جس کی تفصیل آچکی ہے)۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((اَلْمَشْهُوْرُ عِنْدَالنَّاسِ أَنَّ جَامِعَ الْقُرْآنِ عُثْمَانُ وَ لَيْسَ كَذَالِكَ ..... فَأَمَّا السَّابِقُ إِلَى جَمْعِ الْجُمْلَةِ فَهُوَ الصِّدِّيْقُ)).[1]

"عام طور پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جامع قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہ درست نہیں، بلکہ ان سے پہلے جمع قرآن کا کارنامہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ انجام دے چکے تھے۔"

[1] الاتقان فی علوم القرآن ۱/۷۰

بابُ ۲

کاتبینِ وحی

سوانح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لکھی گئی مشہور کتاب "صور من حیاۃ الصحابہ" کے مؤلف عبدالرحمٰن رافت پاشا نے یہ دعاء کی ہے، ناچیز مؤلف اس دعا پر آمین کہتا ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَحْبَبْتُ صَحَابَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقَهُ الْحُبُّ الرَّاسِخُ فَهَبْنِيْ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ لِأَيٍّ مِنْهُمْ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّيْ مَا اَحْبَبْتُهُمْ اِلَّا فِيْكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

"اے اللہ! میں آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سچی اور دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں، تو ہمیں قیامت کے دن ان میں سے کسی کا ساتھ عطا فرما، یقیناً آپ بخوبی واقف ہیں کہ آپ ہی کی رضا کے لئے ان سے محبت کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! رحم فرمایئے۔ (آمین)

سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مدینہ منورہ "جو اس زمانہ ہی سے جب وہ یثرب تھا" کی خمیر اور مٹی میں اللہ تعالیٰ نے بے گھروں کا گھر، بے سہاروں کا سہارا، وطن سے اُجڑنے والوں کا وطن اور مسکینوں غریبوں اور بے کسوں کا دارالہجرۃ بننے کی صلاحیت ودیعت کر رکھی تھی، وہاں ۳۰۰ء مسیحی میں ہی مدینہ کے دو قدیم باشندے اوس اور خزرج آ بسے اور اس کو وطن بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۴۹۰ء تک ان کا پورے یثرب پر مکمل تسلط ہو گیا۔① اوس، خزرج کا سلسلہ نسب یمن کے معروف قبیلہ ازد سے ملتا ہے، جہاں یثرب کی طرف ہجرت کی فضا یمن کی غیر یقینی صورتِ حال اور سد مآرب کے انہدام و شکستگی کی وجہ سے آب پاشی وغیرہ میں آئی دقتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے تیار ہوئی، اور یہ لوگ یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔② اوس کے قبائل مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد ہوئے جو علاقہ عوالی کے نام سے موسوم ہے، جبکہ خزرج کے قبائل مدینہ کے وسطی اور شمالی علاقے جو مدینہ کا نشیبی حصہ ہے، میں آباد ہوئے۔③ خزرج کے قبائل مالک، عدی، مازن اور دینار جن کا تعلق بنو نجار سے ہے، اس حصہ میں آ بسے جہاں مسجد نبوی ہے۔ مدینہ منورہ کے اس قدیم باسی اور قبیلہ بنو نجار کے صاحب عزت وکمال ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن عدی بن نجار کی بطن سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی صدق وصفا اور لسان وحی یوحی سے "علم میراث کی امامت"④ کے سند یافتہ کاتب وحی جانشین عمر بن خطاب وعثمان بن عفان سیدنا ابو سعید زید بن ثابت رضی اللہ عنہم پیدا

① تاریخ العرب العام، ترجمہ عادل زعیتر ص ۵۱
② المنجد فی اللغۃ والاعلام ص ۳۳۱، فی الاعلام
③ مکہ والمدینۃ، ص ۳۱۱
④ کنز العمال رقم ۳۷۵۳-۳۳۳۴ تفصیل مناقب میں آیا چاہتی ہے۔

ہوئے۔[1] بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے جبکہ بعض کا خیال ہے کہ آپ کی کنیت ابوخارجہ ہے۔[2] علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۴۸) (جو اپنے دور کے مشہور صاحب سیر اور محدث ہیں) نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام اُم جمیل ذکر کیا ہے۔[3] لیکن ابن عساکر، علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نوار بنت مالک ذکر کیا ہے۔[4] واللہ اعلم بالصواب

حضرت زید بن ثابت کا قبیلہ ہجرت سے پہلے

ابھی ذکر آیا کہ اوس وخزرج کے قبائل ۳۰۰ء میں ہی مدینہ منورہ کو اپنی جائے سکونت بنا چکے تھے، لیکن ان حضرات کی آمد سے پہلے ہی اس یثرب (مدینہ) میں یہود بے بہود جن کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کی ایک طویل داستان ہے آباد تھے۔ اور فطری بات ہے کہ جب اوس وخزرج کے قبائل مدینہ آئے، تو انہیں یہودیوں کے پڑوسی بنے، چنانچہ اوس کے لوگ ایک یہودی قبیلہ کے پڑوس میں پناہ گزیں ہوئے، جبکہ خزرج یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنوقینقاع کے صاحب جوار بنے۔[5] میں نے بہت تلاش کیا کہ کوئی روایت ایسی مل جائے جس سے ان دونوں قبائل کے مدینہ آنے سے پہلے کے حالات معلوم ہوسکیں، کہ کیا اوس وخزرج اپنے قدیم ملک یمن میں بھی دست وگریبان تھے، لیکن میرے سامنے سیر وسوانح کی جو مختلف کتابیں موجود ہیں ان میں مجھے کوئی روایت ان کے آپسی تنازع اور جھگڑے کے متعلق نہیں مل سکی، اس کوتاہ علم کا خیال ہے کہ اوس وخزرج "یمن" میں تو شیر وشکر کی طرح ہوں گے، لیکن مدینہ آتے ہی انتہائی سخت قسم کے اختلاف رونما ہوئے، غالباً یہ اختلافات، نزاع اور جھگڑے یہود کے پڑوس اور جوار کا ثمرہ اور پھل تھا، اور شاید ان یہودیوں کے سازشی دماغوں کی کرشمہ سازی کا نتیجہ تھا کہ کل تک جو لوگ میل ومحبت سے جی رہے تھے، وہی لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جان کے دشمن بن گئے، جس

---

[1] اسد الغابة فی معرفة الصحابة ۲/۳۴٦ - رقم ۱۸۳٤، دیکھئے: الاصابة فی تمییز الصحابة ۱/۵٤۳، الاستیعاب مع الاصابة ۱/۵۳۲، سیر اعلام النبلاء ٤/٤۷۳

[2]، [3]، [4] حوالہ سابق۔ [5] مکہ والمدینہ، ص ۳۱۱

کے نتیجہ میں ان کے درمیان بڑی خونریز جنگیں وقوع پذیر ہوئیں، جن میں پہلی جنگ سمیرہ تھی اور آخری جنگ جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے پہلے ہوئی، کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر بنو قریظہ کے علاقہ میں ایک قلع ہے، وہیں یہ ایک کھیت کا نام بعاث ہے، جہاں یہ جنگ ہوئی۔ [1]

جنگ بعاث کیوں ہوئی تھی، اس کے اسباب وعلل اور وجوہات کیا تھے، مناسب ہے کہ بخاری کے شارح علامہ عسقلانی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے:

((أَنَّ سَبَبَ ذَالِكَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ قَاعِدَتِهِمْ اَنَّ الْاَصِيْلَ لَا تُقْتَلُ بِالْحَلِيْفِ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنَ الْاَوْسِ حَلِيْفًا لِلْخَزْرَجِ، فَارَادُوْ اَنْ يُقِيْدُوْهُ فَامْتَنَعُوْا، فَوَقَعَتْ عَلَيْهِمُ الْحَرْبُ لِاَجْلِ ذَالِكَ)). [2]

"اوس وخزرج کا یہ مسلمہ ضابطہ تھا کہ خاندانی رشتہ دار کو حلیف کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اوس کے ایک آدمی نے خزرج کے حلیف کا قتل کر دیا، تو خزرجیوں نے چاہا کہ اس آدمی کو قید کر دیں، لیکن قبیلہ اوس کے لوگ آڑے آئے اسی وجہ سے ان کے درمیان یہ خون ریز جنگ برپا ہوئی۔"

یتیمی:

جنگ بعاث جو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال پہلے واقع ہوئی تھی، انتہائی خون آشام ثابت ہوئی۔ چنانچہ اس جنگ میں دونوں قبائل کے روساء اور سردار کام آئے، جن میں قبیلہ اوس کے سردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے والد حضیر بن سماک مارے گئے، جبکہ قبیلہ خزرج کے سردار عمر بن نعمان البیاضی بھی اسی جنگ میں کام آئے۔ [3] یہی وہ جنگ ہے جس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے والد ثابت بن ضحاک مارے گئے اور اضطراری طور پر ہی یتامت آپ کے حصہ میں آئی، اور نہ چاہتے ہوئے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

---

① فتح الباری ۷/۸٤٤، كتاب المناقب الانصار

② فتح الباری ۷/٤٨٥

③ دیکھیے: فتح الباری ۷/٤٨٤، السيرة النبوية ٢، لابن هشام ١/١٦٠

کی اس سنّت سے سرفرازی نصیب ہوئی، جب آپ کے والد کا قتل ہوا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کی صرف چھ بہاریں دیکھیں تھیں، ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

((وَ كَانَ يَوْمَ بُعَاثٍ اِبْنَ سِتٍّ سِنِيْنَ وَ فِيْهَا قُتِلَ اَبُوْهُ)).①

غرض کہ جنگ بعاث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ایک کاری زخم دے گئی جو یقیناً صحبت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوراً مندمل ہو گیا ہوگا، اب اسے حسن اتفاق ہی کہہ لیجئے کہ جہاں اللہ رب العزت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ جس قلب اطہر پر میرا کلام نازل ہو وہ ماں باپ کے مصنوعی نصرت و مدد اور سہارے کا محتاج ہو، شاید اسی حکیم کی حکمت اور غیرت کو یہ بات بھی گوارہ نہ ہوئی کہ جس کے قلم سے میرا قرآن لکھا جائے وہ باپ کے جھوٹے ڈھکوسلے کا آسرا لگائے۔

اوس وخزرج کی جنگی قوت

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قبیلہ خزرج اور اس کے محارب و مدمقابل قبیلہ اوس کی جنگی قوتوں اور فوجیوں کی صحیح تعداد تو میں نہیں بتا سکتا، لیکن ان کی جنگی قوت کا اندازہ ان جنگوں سے کیا جا سکتا ہے جن میں ہجرت کے بعد شریک ہوئے، چنانچہ فتح مکہ کے دن ان دونوں قبیلوں کے لڑاکوں اور فوجیوں کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔②

اوس وخزرج کی اقتصادی حالت

مدینہ کی زمین چونکہ ایک زراعتی زمین تھی اس لئے اہل مدینہ عام طور پر کاشتکاری کیا کرتے تھے، اور ان کے اقتصادیات کا انحصار زیادہ تر باغبانی اور کاشتکاری ہی پر تھا، اور اہم ترین پیداوار میں کھجوریں اور انگور تھیں، ان کے بہت سے باغات تھے، کھیتیاں اور کھجور کے درخت ایک تنے اور دو تنے کے ہوتے تھے، کھیتی میں مختلف طرح کے غلے اور سبزیاں ہوتی تھیں، اور کھجوریں قحط اور خشک سالی کے وقت ان کی غذائی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں، لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں تجارت اور خرید و فروخت کا رواج نہ تھا، باغبانی اور

---

① اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ ۲/۳۴۷، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابہ ۱/۵۳۲

② دیکھئے: امتاع الاسماع بالرسول من الانبیاء والاموال والحفدۃ والمتاع ۱/۳۶۴

زراعت سے یہ مطلب نہیں کہ ان کی کوئی تجارتی سرگرمیاں نہ تھیں، یہ اور سی بات تھی کہ اوس خزرج دینار و درہم اور سونے چاندی کے مالک نہ تھے، ان اشیاء پر یہودیوں کا قبضہ تھا، چونکہ یہ صنعتیں یہودیوں ہی کے ساتھ مخصوص تھیں، بعض یہودی سنار تھے، اور یہود جو کہ فطرتاً کساد بازار واقع ہوئے ہیں، انہوں نے اپنے گھڑے سونے چاندی سے بھر لئے تھے۔ ①

اب خود ہی فیصلہ کر لیں ان کے قبائل کے لئے زراعت و باغبانی اور تھوڑی بہت تجارت کے علاوہ بچا ہی کیا تھا غرض کہ ان کا معاشی اور اقتصادی انحصار اسی زراعت اور باغبانی پر تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہجرت کے بعد:

اب اسے مکہ اور اہل مکہ کی بدنصیبی یا شوم قسمت اور شوم اعمال کہیے یا تقدیر کا فیصلہ کہ آفتاب نبوت گو کہ مکہ کے مطلع سے طلوع ہوا اور کم وبیش تیرہ سالوں تک اپنی کرنیں بکھیرتا رہا، نور نبوت کی جو قندیل مکہ ہی میں روشن ہوئی تھی اس نے وہاں ظلمتوں کی دبیز چادر کی دھجیاں اُڑا دیں، اور وہ ابر رحمت جو سب سے پہلے آسمان مکہ پر ہی سایہ فگن ہوا اس کے لطیف عنایت رحمتوں کی بارش برابر سرزمین مکہ پر ہوتی رہی۔ پر کیا کیجئے گا جسے ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور کاتب تقدیر کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ غرض کہ وہ ابر رحمت صلوٰۃ و سلام۔ ان پر۔ جو ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر آیا تھا۔ اسے اپنے ہی خاندان والوں اور گھر والوں کی ناقابل برداشت اذیتوں، زحمتوں اور ناقدریوں سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا، بالآخر ایک دن آسمان مکہ سے یہ ابر رحمت چھٹا اور یثرب کی زمین پر ٹوٹ کر برسا، اور نبوت کی ضیا پاش کرنوں نے یثرب کو مدینہ منورہ بنا دیا۔

اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی برکت ہی تھی کہ کل کے دشمن آج کے دوست بن گئے، کل جہاں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قبیلہ خزرج اوس کے خون کا پیاسا تھا اور اوس ان کی جان کے درپے تھے، آج وہی اوس وخزرج ایک دوسرے کی جان کی حفاظت کے لئے اپنی

① دیکھئے: الیہود فی بلاد العرب ۱۲۸

اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے لگے، اب اسے نبی رحمت ﷺ کا صدقہ طفیل کہیے یا تبدیلی نام کی کرشمہ سازی کہ کل کے "اوس خزرج" جب آج انصار کہلائے [1] تو سارے کے سارے گلے شکوے یک لحہ دُور ہو گئے اور ایسے شیر و شکر بنے، کہ اب ان کے درمیان بغض عداوت، دشمنی وعناد کی کوئی بات ہی نہ رہی، اور ایک دوسرے کی محبت والفت اور جذبہ ایثار میں اتنے آگے بڑھے کہ خود اللہ تعالیٰ کو گواہی دینی پڑی۔

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر:۹)

لیکن ان یہودیوں کو جو مدینہ کے قدیم باشندے تھے، جن کی فطرت میں ہی نفاق، حسد کینہ ودیعت کر دی گئی تھی، اور جن کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کی کرشمہ سازی کی ایک طویل داستان تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہے اسی وجہ سے عرب انہیں ثعلب (لومڑی) کے نام سے یاد کرتے تھے، انہیں کب گوارہ ہو سکتا تھا کہ اوس وخزرج "انصار" بن کر الفت ومحبت میل و ملاپ اور بھائی چارگی کی ایک تاریخ رقم کریں، چنانچہ انہوں نے سازشیں رچنی شروع کیں، جیسا کہ علامہ ابن ہشام نے ابن اسحٰق سے ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس سے ان دونوں قبیلوں کے ہجرت کے پہلے اور بعد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

"ایک مرتبہ بشاس بن قیس نے جو بڑا ہی حاسد قسم کا یہودی بڈھا تھا، اوس و خزرج کو اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مجلس میں بیٹھے پیار ومحبت کی باتیں کرتے سنا، اس کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا، اور وہ برداشت نہ کر سکا اس نے ایک یہودی نوجوان کو جس کے انصار سے تعلقات تھے، اشارہ کیا کہ ان کی مجلس میں شریک ہو جائے، اور جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دے اور اس موقع پر کہے ہوئے اشعار پڑھے۔" [2]

یہ سازش بے نتیجہ نہ رہی، بلکہ بارآور ثابت ہوئی دونوں قبیلوں کے زخم ہائے کہن تازہ ہو گئے، بت جاہلیت نے اپنا رنگ دکھایا، رگ حمیت بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے قبیلہ

---

[1] حضرت ﷺ نے اوس وخزرج کا نام بدل کر انصار رکھ دیا، فتح الباری ۷/ ۸۴،باب مناقب الانصار

[2] دیکھئے: السیرة النبویہ لابن ھشام ۲/ ۱۶۸

اوس کے اوس بن قیظی رضی اللہ عنہ اور خزرج کے جبار بن صخر رضی اللہ عنہ میدان میں کود پڑے اور دونوں میں گرما گرم بحثیں شروع ہو گئیں، تلوار تلوار کا نعرہ فضا میں بلند ہوا، اور قریب تھا کہ تلواریں نیام سے باہر آ جائیں اور زمین ان کے خون سے لالہ زار بن جائے، کہ اللہ تعالیٰ نے کرم کا معاملہ فرمایا اور اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی، اور آپ مہاجرین کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور ان مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اَللّٰهَ اَللّٰهَ، أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ أَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ، وَ اَكْرَمَكُمْ بِهٖ وَ قَطَعَ بِهٖ عَنْكُمْ اَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَاسْتَنْقَذَكُمْ بِهٖ مِنَ الْكُفْرِ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ)).①

"اے مسلمانو! اللہ اللہ یہ جاہلیت کی باتیں جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی توفیق دی، اسلام ہی کے ذریعہ تمہیں عزت دی اور اسی صدقہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفر سے نکالا اور جاہلیت سے نجات دی اور تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے چشم زدن میں ان کے ایمان کی چنگاری فروزاں اور دینی جذبہ بیدار ہو گیا، آنکھیں کھل گئیں اور فوراً احساس ہوا کہ وہ ایک گہری سازش کے شکار ہو گئے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر کیا تھا اوس وخزرج ایک دوسرے سے اس طرح بغل گیر ہوئے گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

غرض کہ ابن ہشام کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اوس وخزرج جو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک دوسرے کی آنکھ کا کانٹا تھے، ہجرت کے بعد ایک دوسرے کی آنکھوں کے تارے بن گئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اوس بن قیظی اور جبار بن صخر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آل عمران کی یہ آیت نازل فرمائی۔②

---

① السيرة النبوية ۲/۱۶۹

② اسباب النزول ۶۷-۷۷، دیکھئے: زاد المسير ۱/۴۳۱

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِيۡعُوۡا فَرِيۡقًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ يَرُدُّوۡكُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ كٰفِرِيۡنَ ۝۱۰۰ وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝۱۰۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝۱۰۲ ﴾ (آل عمران:۱۰۰-۱۰۲)

جبکہ بشاس بن قیس کی مذمت میں اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اے محمد! (ﷺ) تو کہہ، اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔" (آل عمران:۹۹-۹۸) (ترجمہ: شیخ الہند)

دربارِ رسالت میں شرفیابی

صاحب قرآن نبی اکرم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور نور نبوت کی روشنی سے یثرب کی گلی گلی منور اور روشن ہو کر ایک منور شہر "مدینہ منورہ" بن گئی، اور مدینہ کی ہر راہ شمیم رسالت کی عطر بیزیوں سے مہک اٹھی، باشعور بوڑھوں اور فہم و ذکاء کے مالک نوجوان کی بات چھوڑیے وہ بچے جن کی کھیل کود کی عمر تھی، انہوں نے بھی اخذ قرآن اور حفظ کی ریس لگائی، اور بہت سارے عمر درازوں سے بازی مار لی، اب بارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اور وہ بھی اس ماحول اور اس زمانے میں جب پڑھنے لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر ہی تھا، ایک بچہ نبی کریم ﷺ سے اس وقت شرف ملاقات حاصل کر رہا ہے، جبکہ سترہ سورتوں کا حافظ بن چکا ہے، ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھیے کہ کتنا حسین منظر ہوگا اور کتنی خوشگوار حیرت ہوئی ہوگی نبی کریم ﷺ کو کہ وہ انصاری نونہال جو مبلغ اول حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پہلے ہی اسلام لا چکا تھا، وہی بارہ سالہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں اس حال میں لایا جا رہا ہے کہ وہ سترہ سورتوں کو اپنے سینے میں محفوظ کر چکا ہے، تو اس نونہال کی کہانی اسی کی زبانی سنیے جس سے نبی ﷺ نے ان کی یاد کردہ سورتیں سنیں اور خوشگوار حیرت کا اظہار کیا:

((أُتِيَ بِي النَّبِيَّ ﷺ مَقْدَمَهُ بِالْمَدِينَةِ فَأُعْجِبَ بِي فَقِيلَ لَهُ : هٰذَا غُلَامٌ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ قَدْ قَرَأَ فِيمَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ بِضْعَ عَشْرَ سُورَةً فَاسْتَقْرَ أَنِي فَقَرَأْتُ "قٓ")).[1]

"نبی ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اور آپ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول یہ بنو نجار کا (ایک نو عمر) لڑکا ہے جس نے قرآن کریم کے دس سے زائد (سترہ)[2] سورتیں یاد کر لی ہیں، تو نبی ﷺ کو اس پر حیرت ہوئی۔"

مختلف زبانوں پر آپ کی مہارت

ابھی ذکر آیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے صرف گیارہ بارہ سال کی عمر میں ہی قرآن کریم کی سترہ سورتیں حفظ کر لیں تھیں اور نبی ﷺ کو آپ کی کمال کی ذہانت اور بلا کی ذکاوت پر خوشگوار حیرت بھی ہوئی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ کی جوہر شناس اور دُور بین نگاہوں نے فوراً اس جوہر قابل اور گوہر نایاب کو پرکھ اور پہچان لیا، اور آپ کو عبرانی اور سریانی زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا۔

یہود جو اپنے فطری خصائص اور کمینہ پن میں مشہور ہیں اور اس درجہ بد دیانت واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے اللہ کی کتاب "تورات" میں تحریف کر ڈالی ایسے بد طینت اور بد باطن پر نبی ﷺ کیونکر اعتماد کر سکتے تھے، اور چونکہ اب تک وہ خطوط جو یہودیوں کی زبان میں آتے، یا نبی ﷺ عبرانی وغیرہ زبانوں میں کوئی خط لکھنے کی ضرورت محسوس فرماتے تو مجبوراً ان یہودیوں ہی میں کسی سے یہ کام لے لیتے تھے، اور ظاہر سی بات ہے کہ آپ ﷺ کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔[3] اور ان کی فطرت سے آپ ﷺ بخوبی واقف تھے۔

---

[1] فتح الباری ۹۵/۱۵، عن خارجہ بن زید بن ثابت، دیکھئے: الاصابہ ۵٤۳/۱، (۲۸۸۰)

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں "بضع عشر" کی جگہ سبع عشر کے الفاظ نقل کئے ہیں دیکھئے: الاصابہ ۵٤۳/۱۔ [3] فتح الباری ۹۵/۱۰

اس لئے جونہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فطری ذکاوت وذہانت کا اندازہ فرما کر انہیں عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں:

((اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَمَرَهٗ اَنْ يَتَعَلَّمَ كِتَابَ الْيَهُوْدِ)).[1]

بس یوں سمجھئے کہ شاید حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہی تھے، بس حکم کی دیر تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی بے پناہ ذہانت وفطانت کی وجہ سے صرف ۱۵ دنوں ہی میں عبرانی اور سریانی زبانوں میں خوب مہارت حاصل کرلی۔[2] اور ان زبانوں میں لکھنے اور پڑھنے لگے۔ چنانچہ امام ابوداؤد حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کرتے ہیں:

((فَمَا مَرَّبِيْ خَمْسَةَ عَشَرَ لَيْلَةً حَتّٰى تَعَلَّمْتُهٗ)).[3]

"کہ صرف پندرہ دن گزرے کہ میں نے یہ زبان سیکھ لی۔"

لیکن ابوبکر بن ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سترہ دنوں ہی میں یہ زبان سیکھی۔[4] خیر جانے دیجئے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ زبان پندرہ دنوں میں سیکھی یا سترہ دنوں میں، اور یہ تو محدثین کا کام ہے کہ ان دونوں میں کون سی روایت زیادہ صحیح ہے اور قوی الاسناد ہے کی تحقیق کریں، یا اگر دونوں روایتیں صحیح ہیں تو تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ میرا مقصد تو صرف یہ بتلانا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ زبانوں کے ماہر تھے، اور کتنے ذہین اور ذکی تھے، سو ان شاء اللہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ نے فارسی کسریٰ کے قاصد سے صرف اٹھارہ

---

① بخاری مع الفتح ۱۵/۹٤، حدیث ۷۱۹۵

② بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور آپ نے عبرانی زبان سیکھی، جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ سریانی زبان سیکھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ نے دونوں ہی زبانیں سیکھیں کیونکہ دونوں زبانوں کی ضرورت تھی۔ (فتح الباری ۱۵/۹۵)

③ حوالہ سابق بحوالہ ابوداؤد و ترمذی۔

④ دیکھئے: کنز العمال ۱۳/۳۹٦، حدیث ۳۷۰۵۹، ۳۷۰٦۰۔ البدایۃ النہایۃ ۸/۳۱، الاصابہ ۱/۵٤۳، رقم ۲۸۸۰، فتح الباری ۱۵/۹۵۔

دنوں میں اور رومی، حبشی، قبطی زبانیں نبی ﷺ کے خدام سے سیکھیں۔

((تَعَلَّمَ الْفَارِسِيَّةَ مِنْ رَّسُوْلِ كِسْرٰى فِيْ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَ تَعَلَّمَ الْحَبَشِيَّةَ وَالرُّوْمِيَّةَ وَالْقِبْطِيَّةَ مِنْ خُدَّامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)).[1]

سکریٹری کے فرائض

نبی اقدس ﷺ کو یہودیوں پر اعتماد واعتبار نہ تھا، مجبوراً ہی ان سے خط وکتابت کا کام لے لیا کرتے تھے، لیکن جب سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جن کی فطری قابلیت ولیاقت اور خداداد ذکاوت و ذہانت جس سے آپ ﷺ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے سکے تھے کی بدولت صرف پندرہ ہی دنوں میں عبرانی اور سریانی زبانوں میں پوری طرح مہارت حاصل کر لی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنا پرسنل سکریٹری (Persanal Sicritry) بنا لیا، خود حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے خطوط لکھا اور پڑھا کرتا تھا۔

((كَتَبْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ كُتُبَهُ وَ قَرَأْتُهُ كُتُبَهُمْ اِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ)).[2]

چونکہ آپ کا خط نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ ہوتا تھا، آپ خطوط نویسی میں مہارت رکھتے تھے۔[3] اس لیے بھی نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو عہدہ کتابت سے سرفراز فرمایا اور اپنا سکریٹری مقرر فرمایا، جس عہدہ پر حضرات شیخین کے عہد خلافت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ مامور رہے،

((كَتَبَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا)).[4]

غرض کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ تاحین حیات نبی ﷺ کے پرسنل سکریٹری اور ترجمان رہے، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس عہدہ جلیل پر فائز رکھا، البتہ آپ کے معاون کی حیثیت سے ان دونوں حضرات کے عہد میں حضرت معیقب نے بھی یہ

---

① البدایة والنہایة لابن کثیر ۳۱/۸

② بخاری رقم ۷۱۹۵، باب ترجمة الحکام وہل یجوز ترجمان واحد رواہ البخاری تعلیقاً، نیز دیکھئے: کنز العمال ۳۹۵/۱۳، رقم الحدیث ۳۷۰۵۶، سیر اعلام النبلاء ۷۵/۴، ترمذی باب ماجاء فی تعلیم السریانیة رقم ۲۷۱۵

③ البدایة والنہایة ۳۱/۸

④ اسد الغابة للجزری ۳۴۷/۲

ذمہ داری ادا کی۔[1]

حضور ﷺ کے ساتھ سحری کھانا

دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تقرب حاصل تھا، اور آپ ان کو ان کی علمی لیاقت کی وجہ سے عزیز رکھتے تھے، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ نبی ﷺ سے چمٹے رہتے تھے، اور اس دوران آپ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے ہمراہ سحری کھانے اور نمازیں پڑھنے کا بھی موقع ملا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا آپ کو کپڑا پہنانا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس ﷺ کی نگاہ میں کیا مقام حاصل تھا، آپ ﷺ کے دل میں آپ کے لئے کتنی جگہ تھی، اور آپ ﷺ حضرت کے کتنے قدردان تھے اس کا اندازہ جہاں اس روایت سے ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھانے کا شرف حاصل ہوا وہیں یہ روایت ان کی دربار رسالت میں قدرومنزلت اور عزت واحترام پر بھی کیا خوب شاہد ہے کہ حضور ﷺ نے جہاں آپ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت دی جو آپ کی دیرینہ خواہش کی تکمیل اور دلی مراد کی برآوری تھی، وہیں آپ رضی اللہ عنہ کو ایک بیش قیمت مصری جبہ عنایت فرمایا، صرف دے ہی نہیں دیا بلکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زبان میں تو

((اَجَازَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ خَنْدَقَ وَ کَسَانِیْ قِبْطِیَّةً)).[3]

رسول اللہ ﷺ نے انہیں خود ہی پہنایا، اب جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ خود کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہنایا تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس میں احتمالات تلاش کرے شاید یہ دے دیا ہوگا، وغیرہ۔ پر کیا بعید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی شفقت ومحبت کے اظہار

---

[1] اسد الغابة للجزری ۲/۳٤۷

[2] اسد الغابة فی معرفة الصحابه ۲/۳٤۸، عن زید بن ثابت تسحرنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثم قام الی الصلاة

[3] سیر اعلام النبلاء ٤/۷۷

میں اپنے ہی دستِ مبارک سے پہنادیا ہو، جیسا کہ حضرت کا کہنا ہے، مجھے تو بس اتنا کہنا ہے کہ یہ محبت کی بات اور اُلفت کی دلیل ہے کہ کپڑے بھی خود پہنائے جارہے ہیں۔

نبی ﷺ کی آپ سے بے تکلفی کا ایک واقعہ

کسی کی کرم فرمائیوں اور ناز برداریوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسا شوخ بلکہ یک گونہ بے تکلف بنادیا تھا کہ جہاں نبوی ہیبت وجلال کی وجہ سے بڑے بڑوں کو نظر ملانے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی جرأت وہمت نہیں ہوتی، وہیں آپ رضی اللہ عنہ بڑے مزے سے نبی ﷺ کے پہلو میں آپ ﷺ کے زانو مبارک سے زانو ملا کر بیٹھتے اور آپ سے کسب فیض کرتے اور علم ومعرفت کے خزانے اپنے سینے میں محفوظ فرماتے، ایک مرتبہ تو یہ محبت والتفات اس حد تک پہنچی کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت اقدس ﷺ کے پہلو مبارک میں بیٹھے ہیں، اور آپ ﷺ نے ازراہِ بے تکلفی اور شاید اظہار محبت کے لئے بھی آپ کے زانو پر اپنا زانو مبارک رکھ دیا، اور غالباً صاحب کلام اللہ رب العزت کو بھی صاحب قرآن اور کاتب قرآن کے باہمی میل جول اور بے پناہ بے تکلفی وسادگی کے اس منظر کا انتظار تھا کہ اسی حالت میں جبرئیل امین (علیہ السلام) "وحی" لے کر آن پڑے، اور کاتب وحی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نزول وحی کی ایک خوشگوار لیکن بڑے صبر آزما اور سخت لذت کا احساس ہوا، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

((فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُوْلِهِ، فَخِذُهٗ عَلَى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتّٰى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِيْ)).[1]

"کہ میرے زانوں پر آپ ﷺ کا زانو مبارک تھا کہ وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور وحی کی شدت اور بوجھ کا مجھے اس درجہ احساس ہوا کہ میں ڈر گیا کہ کہیں میری ران نہ ٹوٹ جائے۔"

آپ کا علمی مرتبہ اور مقام

ابھی ذکر آیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی فطری اور خداداد ذکاوت وذہانت اور

① بخاری ۲/٦٦، باب لایستوی القاعدون، کتاب التفسیر، دیکھئے: زاد المعاد ۱/۸۱-۷۹

ذہانت کی وجہ سے بہت ساری زبانوں پر عبور رکھتے تھے چھوٹی عمر ہی میں علم وفقہ کے اوج کمال کو پہنچ چکے تھے، حصولِ علم کی اس راہ میں جہاں آپ نے نبی ﷺ سے اپنے آپ کو الگ نہ ہونے دیا وہیں آپ رضی اللہ عنہ نے ان مدارس ومکاتب کی خاک بھی چھانی، جہاں یہود ونصاریٰ کی زبان اور ان کی کتاب تورات وانجیل کی تعلیم دی جاتی تھی اور صرف پندرہ دنوں میں اتنی مہارت اور اتنا کمال حاصل کرلیا کہ تورات وانجیل میں کی جانے والی تحریف وتبدیلی بھی آپ رضی اللہ عنہ کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکی، چنانچہ علامہ ہندی عمرو بن حزم کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((كَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ تَعَلَّمَ فِيْ مِدْرَاسِ مَا سِكَةٍ فَتَعَلَّمَ كِتَابَهُمْ خَمْسَ عَشَرَةَ لَيْلَةً، حَتّٰى كَانَ يَعْلَمُ مَا حَرَّفُوْا وَبَدَّلُوْا)). [1]

علم فرائض کے امام رضی اللہ عنہ

آپ کی علمی شان اور فقہی مقام اور تبحر کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ نبی ﷺ نے جہاں آپ کی بے پناہ صلاحیتوں کے اعتراف میں آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا پرسنل سکریٹری نامزد کیا، قرآن کریم کی کتابت کے منصب پر آپ کو سرفراز فرمایا وہیں نصف علم کہے جانے والے علم فرائض (جو یقیناً قانونِ اسلامی کا مشکل ترین باب، اور فقہ اسلامی کی سنگلاخ وادی سے کم نہیں) کی امامت کی سند سے سرفراز فرمایا، چنانچہ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)). [2]

”کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں علم فرائض کے سب سے ماہر ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مسلک کی بنیاد فرائض کے باب میں آپ رضی اللہ عنہ ہی

---

[1] کنز العمال لعلاء الدین المتقی بن حسام الدین الهندی ۱۳/۳۹۵، رقم: ۳۷۰۵۷

[2] ترمذی رقم الحدیث ۳۷۹۱، باب مناقب معاذ بن جبل و زید بن ثابت رضی الله عنهما ۵/۶۲۳، ابن ماجه باب فی فضائل اصحاب رسول الله ﷺ فضائل خباب

کے قول و فتاویٰ پر رکھی ہے۔ [1]

عہدِ نبوی ﷺ کے حفاظ

جب آفتاب نبوت مدینہ منورہ کے اُفق پر چمکا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف گیارہ سال تھی، اور آپ رضی اللہ عنہ کو جب دربارِ نبی ﷺ میں شرفیابی کا موقع ملا تو آپ اس وقت سترہ سورتیں یاد کر چکے تھے، پھر رفتہ رفتہ صاحب قرآن ﷺ کی صحبت کے صدقہ آپ نے (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) پورا قرآن یاد کر لیا، اور آپ نے اپنا نام ان خوش نصیبوں کی فہرست میں شامل کر لیا جن کو نبی ﷺ کے زمانہ اور عہد ہی میں حافظ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ: أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُوْ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)). [2]

"کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چار حضرات قرآن کریم کے حافظ ہوئے، اور وہ سب کے سب انصاری ہیں، اور یہ چار حضرات، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید (ان کا نام اوس ہے) ہیں رضی اللہ عنہم۔"

اب اسے حسن اتفاق کہیے یا فضل الٰہی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ جن تین حضرات کو یہ عظیم فضیلت حاصل ہوئی، وہ بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کے قبیلہ انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم سے آپ رضی اللہ عنہ کا بے پناہ لگاؤ اور اس کے حفظ و کتابت سے آپ کی بے انتہا دلچسپی و رغبت، اور علم فرائض میں آپ کی مہارت و امامت دو ایسی امتیازی خصوصیتیں ہیں، جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور ان میں ممتاز نظر آتے ہیں، چنانچہ امام شعبی کا بیان ہے کہ:

---

[1] اسد الغابة ۳۴۷/۲

[2] ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۴، ۶۲۵/۵؛ دیکھیے بخاری ۵۳۷/۱، باب مناقب زید بن ثابت، مسلم باب من فضائل ابی بن کعب وجماعة من الانصار البدایه والنهایه ۵۱/۴

((غَلَبَ زَيْدُ النَّاسَ عَلَى اثْنَتَيْنِ : اَلْفَرَائِضِ وَالْقُرْآنِ)).[1]

"دو چیزوں کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصروں سے بازی مار گئے، ایک علم فرائض، دوسرا علوم قرآن۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں آپ کا علمی مقام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علم فرائض کی امامت، منصب کتابت سے سرفرازی اور سب سے بہترین لڑکے (نعم الغلام)[2] کا خطاب اور سند پانے کے بعد کسی کی توصیف و تعریف اور سند کی ضرورت نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے علم کا جادو آپ کے ہم عصروں اور ہم جولیوں کے سر چڑھ کر بولا ہی اپنے بڑوں کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا، یہی وجہ ہے کہ امت کی افضل ترین شخصیت نہ صرف آپ کی لیاقت اور علمی کمالات کے معترف تھے بلکہ اس سے متاثر بھی تھے، چنانچہ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو "جمع قرآن" کی عظیم ذمہ داری سپرد کی تو آپ رضی اللہ عنہ کو ایسے الفاظ و القاب سے مخاطب فرمایا جس سے آپ کی علمی شان و مرتبہ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں آپ کی قدر کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، جیسا کہ امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا:

((اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ، وَ قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ)).[3]

"واقعی آپ ایک عقلمند اور زیرک نوجوان ہیں اور ہم میں کسی کی مجال نہیں کہ وہ آپ پر جھوٹ کا الزام لگائے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ نے "کتابت وحی" کے فرائض انجام دیے ہیں (اس لئے یہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں)۔"

---

① تاریخ دمشق لابن عساکر ۹/۱۱۷، بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۴/۷۷، نیز دیکھئے: الاستیعاب فی اسماء الصحابۃ للقرطبی مع الاصابہ ۱/۵۳۴، تہذیب التہذیب ۲/۲۳۳

② مستدرک للحاکم ۳/۴۲۱ ③ بخاری ۲/۷۴۵، باب جمع القرآن

جبکہ زبان صدق و صفا کے مالک اور اللہ کے معاملے میں سب سے سخت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے[1] جب کہ لوگوں کے مطالبہ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مختلف شہروں میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجا تو فرمایا کرتے تھے کہ:

((لَمْ يَسْقُطْ عَلَيَّ مَكَانُ زَيْدٍ، وَلٰكِنْ أَهْلُ الْبَلَدِ مُحْتَاجُونَ إِلَى زَيْدٍ فِيمَا يَحْدِثُ لَهُمْ مَا لَا يَجِدُونَ عِنْدَ غَيْرِهِ)).[2]

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو میں نے اس لئے نہیں بھیج دیا کہ خدانخواستہ میری نگاہ میں حضرت زید کا مرتبہ کم ہو گیا ہو، بلکہ میں نے تو شہر والوں کی ضرورتوں کے پیشِ نظر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہے۔"

کیونکہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے جتنا استفادہ کر سکتے ہیں دوسروں سے ان لوگوں کے لئے اتنا علمی استفادہ ممکن نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر میں آپ کی علمی شان کا اندازہ اس روایت سے کیجئے کہ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سارے صحابہ کو فتویٰ دینے سے روک دیا وہیں آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا مفتی بنایا اور مدینہ کا دار الافتاء آپ کے سپرد فرمایا۔[3] اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ سے باہر کسی عہدہ پر مامور نہیں فرمایا۔ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تو کہہ رکھا تھا کہ اگر میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول نہ رہوں تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے جا کر زانوتلمذ تہہ کروں۔[4] امام المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ رضی اللہ عنہ کو راسخ فی العلم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ رضی اللہ عنہ کو عالم الناس کے ناموں سے یاد کرتے تھے، تو امام المحدثین سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حبر الامت کے نام سے یاد کیا غرض کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا کوئی ایسا نہیں تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے علمی کمالات و مرتبہ کا معترف اور آپ رضی اللہ عنہ کے علمی فقہی

---

① دیکھئے: ترمذی رقم الحدیث ۳۷۹۰

② ابن سعد بحوالہ کنز العمال ۱۳/۳۹۳، رقم الحدیث ۳۷۰۵۱

③ کنز العمال، رقم الحدیث ۳۷۰۵۲، نیز دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۴/۷۸

④ سیر اعلام النبلاء ۴/۷۹

مقام سے متاثر نہ ہو۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے احترام اور آپ کی قدردانی کا تو یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر لگام تھام لی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ چھوڑ دیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا

((أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا وَ كُبَرَائِنَا)).①

"ہمیں اپنے علماء و اکابروں کے ساتھ اسی طرح احترام کا حکم ہے۔"

جواباً حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ چوم لیا اور عرض کیا کہ ہمیں بھی اہل بیت کی اسی طرح تعظیم و تکریم کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر آپ تابعین اور ائمہ کرام کو دیکھیں تو وہ آپ کی جلالت وشان کے سامنے سرنگوں اور دست بستہ کھڑے نظر آئیں گے، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كَانَ إِمَامَ النَّاسِ عِنْدَنَا بَعْدَ عُمَرَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ)).②

"میری نظر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی پوری اُمت کے امام ہیں۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اساتذہ

سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی فہرست کوئی بہت طویل نہیں ہے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے علوم معارف کے تمام تر خزانے صرف حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کر کے اپنے سینے میں محفوظ کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اُمت کے دو افضل ترین شخص سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔③ بہت ممکن ہے کہ ان حضرات کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ عنہ نے کسی سے کسب فیض کیا ہو، لیکن اس کوتاہ علم کو تلاش کے باوجود ان کے نام نہ مل سکے۔

---

① کنز العمال ۱۳/۳۹۶، رقم ۳۷۰۶۱، دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۸/۳۱

② سیر اعلام النبلاء، ٤/٧٩

③ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، ٤/٧٤

آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی تعداد تو بڑی مختصر ہے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ سے شرفِ تلمذ اور سعادت شاگردی حاصل کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں مفسر و محدث اور فقیہ ہر طرح کے لوگ موجود ہیں، اور تو اور خود حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ سے کسب فیض کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، ابن عمر، ابو سعید خدری، انس بن مالک، سہل بن سعد، ابو امامہ بن سہل، سہل بن حنیف اور عبداللہ بن زید الخطمی رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں، جبکہ حضرات تابعین میں سعید بن مسیب، قاسم بن محمد، سلیمان بن یسار، ابان بن عثمان، یسر بن سعد، خارجہ اور سلیمان (دونوں ہی خود حضرت زید کے ہی صاحبزادے ہیں) عطاء بن یسار، عبد بن سباق، عروہ، حجر المدری، طاؤس رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ چند ایسے نام ہیں، جن کو آپ رضی اللہ عنہ سے پڑھنے کی سعادت اور آپ رضی اللہ عنہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ [1]

منصب افتاء کی ذمہ داری

فتویٰ نویسی ایک انتہائی نازک کام ہے، اور بڑا ہی پُرخطر منصب ہے، کیونکہ ایک آدمی کسی فتویٰ کی وجہ سے دُنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی فلاح و بہبود اور خوشی و مسرت سے اپنے دامن کو بھر سکتا ہے، تو ایک غلط فتویٰ کی وجہ سے تباہی و بربادی کے کنوئیں میں اوندھے منہ گر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں صرف چھ حضرات تھے جو فتویٰ دینے کے مجاز تھے، اور ان کو فتویٰ نویسی کی اجازت تھی، جن میں حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود، ابی ابن کعب اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ کا نام شامل ہے۔ آپ کو نہ صرف عہد رسالت میں فتویٰ دینے کا شرف حاصل ہوا، بلکہ عہد صدیقی و فاروقی وعثمانی اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی آپ مدینہ کے مفتی رہے۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بہت سے

---

① دیکھئے: اسد الغابۃ ۳۴۹/۲، سیر اعلام النبلاء ۷۴/٤، الاصابہ ۵٤۳/۱

② سیر اعلام النبلاء ۷۸/٤، الاصابہ ۵٤٤/۱

مفتیوں کو مختلف شہروں کی طرف روانہ فرما دیا تا کہ وہ وہاں کے رہنے والوں کے دینی معاملوں میں رہنمائی اور دستگیری کریں اور ان کے استفتاء کا جواب دیں، اور بعض لوگوں کو اپنی رائے سے فتویٰ دینے سے منع کر دیا۔ جبکہ سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا مفتی مقرر فرمایا تا کہ آپ اہل مدینہ اور اس کے مضافات سے آنے والوں کے استفتاء کا جواب دیں۔

((وَحَبَسَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ بِالْمَدِيْنَةِ يُفْتِيْ اَهْلَهَا)).[1]

اور سلمان بن یسار تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کسی کو بھی علم فرائض قرأت، قضاء اور فتویٰ کے معاملہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ پر فوقیت نہیں دیتے تھے:

((مَا كَانَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ يُقَدِّمَانِ عَلٰى زَيْدٍ اَحَدًا فِي الْفَرَائِضِ وَالْفَتْوٰى وَالْقَضَاءِ))[2]

غرض کہ آپ ان چار صحابہ میں سے ایک تھے، جن کی وجہ سے علم فقہ کو عالم گیر شہرت اور وسعت نصیب ہوئی۔

منصبِ قضاء

فتویٰ نویسی ہی کی طرح قضاء کی ذمہ داری بھی بڑی نازک اور پُر خطر ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ "قضاء" کی ذمہ داری "فتویٰ" کی ذمہ داری سے کہیں زیادہ اہم ہے، غالباً یہی کوئی وجہ ہے کہ عہد صحابہ میں بھی قاضیوں کی مختصر ترین فہرست نظر آتی ہے، لیکن ان میں بھی ایک روشن نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((اَلْقُضَاةُ اَرْبَعَةٌ: عُمَرُ، عَلِيٌّ، زَيْدٌ، اِبْنُ مَسْعُوْدٍ)).[3]

"کہ قاضی یہ صرف چار ہیں: عمر، علی، زید، ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔"

غرض کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی علمی خصوصیات کی وجہ سے ان دونوں منصب پر تاحیات فائز رہے۔

---

① کنز العمال رقم الحدیث ۳۷۰۵۲، ۳۹۳/۱۳

② دیکھئے: سیر اعلام ۷۸/٤، البدایہ والنہایہ ۳۱/۸، حوالہ سابق

③ حوالہ سابق

استفتاء کے جواب میں آپ کا طریقہ کار؟

سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرضی سوالات کا جواب دینے سے گریز کرتے اور مفروضہ بنیاد پر قائم استفتاء کے جواب سے اجتناب فرماتے تھے، جب کوئی آپ سے سوال کرتا تو آپ اس سے دریافت کرلیا کرتے کہ کیا معاملہ پیش آچکا ہے؟ اگر ہاں میں جواب ملتا تو اس مسئلہ اور استفتاء کا جواب دیتے، ورنہ فرماتے کہ جب ایسا ہو گا تب پوچھ لینا۔ چنانچہ امام زہری کہتے ہیں:

((بَلَغَنَا اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا سُئِلَ عَنِ الْاَمْرِ أَ کَانَ هٰذَا؟ فَاِنْ قَالُوْا: نَعَمْ حَدَّثَ فِیْهِ بِالَّذِیْ یَعْلَمُ، وَاِنْ قَالُوْا: لَمْ تَکُنْ قَالَ: فَذَرُوْهُ حَتّٰی یَکُوْنَ)).①

اور بعض مواقع پر تو حضرت زید رضی اللہ عنہ سائل کو قسم دے کر پوچھتے کہ کیا یہ معاملہ پیش آچکا ہے؟ اگر پوچھنے والا کہتا جی ہاں ایسا ہو چکا ہے، تو جواب دیتے ورنہ جواب دینے سے اجتناب فرماتے:

((کَانَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اِذَا سَئَلَهٗ رَجُلٌ عَنْ شَیْءٍ قَالَ: اللّٰهُ کَانَ هٰذَا؟ فَاِنْ قَالَ نَعَمْ تَکَلَّمَ فِیْهِ وَاِلَّا لَمْ یَتَکَلَّمْ)).②

آپ رضی اللہ عنہ عام طور پر قیاس واجتہاد اور اپنی رائے کی بنیاد پر فتویٰ نہیں دیتے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا وہی جواب میں عرض کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان رحمہ اللہ جو مدینہ کے حاکم تھے ــــــ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور کچھ لوگوں کو پردے میں لکھنے کے لئے بٹھلا دیا اور آپ سے سوال کرنے لگا، حضرت زید رضی اللہ عنہ بھانپ گئے اور محسوس کرلیا کہ کوئی پردے میں لکھ اور سن رہا ہے تو مروان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((یَا مَرْوَانُ اَغَدَرًا اَنَّمَا اَقُوْلُ بِرَائِیْ)).③

"کہ اے مروان تم اس دھوکہ میں ہو کہ میں اپنی رائے سے یہ جوابات دیتا ہوں، یعنی ایسا نہیں ہے۔"

①، ②، ③ سیر اعلام النبلاء ٤/٨٠

اس زبردست احتیاط کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور آپ کا شمار ان سات صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے زیادہ فتوے دیئے۔ آپ کے علاوہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم بھی سب سے زیادہ فتویٰ دینے والوں میں شامل ہیں۔ [1]

سرمایۂ افتخار

اوس وخزرج جو مدینہ کے قدیم باشندے تھے اور اسلام کی آمد سے پہلے آپس میں ہمیشہ دست وگریباں رہتے تھے، اور ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے اور سبقت کرنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، گو کہ اسلام نے ان دونوں کو شیر وشکر بنا دیا اور جہالت اور فخر و نخوت کی جگہ اسلامی اخوت نے لے لی اور اب یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے خیر کی ریس جیتنے اور بھلائی کا میدان مارنے کی دھن میں رہنے لگے۔ اور دین میں سبقت لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگے اور اپنے قبیلہ کے اسلامی اور دینی کارناموں کو دوسرے قبیلہ کے سامنے فخریہ بیان کرنے لگے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ اوس کے لوگوں نے خزرجیوں پر اپنی بلندی اور برتری ثابت کرنے کی غرض سے کہا کہ ہمارے قبیلہ میں ایسے معزز محترم اور قابل افتخار ہستیاں ہیں جن کی تم مثال نہیں لا سکتے، ہمارے قبیلہ ہی کے حضرت حنظلہ بن ابو عامر رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا، ہمارے ہی عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت اللہ نے شہد کی مکھیوں سے کروائی، تو ہمارے ہی قبیلہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت بھی ہے جن کی موت سے عرشِ الٰہی دہل گیا، اور تو جانے دو یہ فضیلت اور مرتبہ بھی ہمارے ہی قبیلہ کے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی کہ ان کے اکیلے کی گواہی دو گواہوں کے درجہ میں ہے، اس مقابلہ اور مسابقہ میں خزرجی کب پیچھے ہونے والے اور ہار ماننے والے تھے، انہوں نے بھی جھٹ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا اور کہہ پڑے:

---

[1] اسد الغابۃ ۱/۸۶

((مِنَّا اَرْبَعَةٌ جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اُبَیٌّ ، زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ، مُعَاذٌ وَ اَبُوْ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)). [1]

"وہ چار عظیم شخصیتیں اور قابل افتخار ہستیاں ہمارے ہی قبیلہ کی ہیں جنہوں نے عہد رسالت ہی میں قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا۔"

اس مقابلہ و مسابقہ اور فضیلت کی جنگ میں میدان کس نے مارا اور جیت کس کے ہاتھ لگی، مجھے اس سے کوئی سروکار اور مطلب نہیں اور مجھے یا کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصل اور حکم بنے، مجھے تو صرف اتنا بتانا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کے لیے وہ قیمتی سرمایہ اور اثاثہ تھے جن پر ان کی قوم کو ناز ہی نہیں فخر تھا اور وہ بجاطور پر مستحق ہیں کہ آپ پر فخر کریں۔

گھریلو زندگی

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی تمام تر خصوصیات و کمالات، اپنے عظیم علمی مقام و مرتبہ، عہدہ مناصب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنی بلندی شان اور رفعت مقام کے باوجود اپنی گھریلو زندگی اور بیوی بچوں میں انتہائی پُرمزاح اور خوش مزاج تھے، چنانچہ لوگوں کے درمیان آپ جتنا پُروقار رہتے اپنی گھریلو زندگی میں اس سے کہیں زیادہ خوش طبع و خوش خلق واقع ہوئے۔ چنانچہ ثابت بن عبید رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((كَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ أَفْكَهِ النَّاسِ فِيْ أَهْلِهِ وَ أَزْمَتِهِ عِنْدَ الْقَوْمِ)). [2]

"کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی گھریلو زندگی میں بڑے پُرمزاح اور عوامی زندگی میں بڑے پُروقار تھے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق پر نظر ڈالیں تو سبقت فی الاسلام، محبت

---

① البدایۃ والنہایۃ ۵۱/۷

② سیر اعلام النبلاء ۸۱/۴، نیز دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۳۱/۸، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۵٤۳/۱ رقم ۲۸۸۰، اسد الغابۃ ۳٤۷/۲

نبوی ﷺ، شوق علم و جہاد، اتباع سنّت، حق گوئی، بے باکی و انکساری اور خودداری جیسے روشن ابواب نظر آئیں گے۔

غزوات وسرایا میں شرکت

ہر صحابی کی طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سینہ بھی شوق جہاد سے معمور اور دل جذبہ جہاد و شہادت سے سرشار تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک ایسا دل پایا تھا جس میں راہِ خدا میں جانثاری کی تمنا اور دین محمدی ﷺ کی نصرت و مدد کی تڑپ اور امنگ تھی، رمضان المبارک ۲ھ میں "بدر" کے میدان میں حق و باطل، نور و ظلمت اور ایمان و کفر کی سب سے پہلی لڑائی اور جنگ کا بگل بجا تو سترہ سال کے حضرت زید بن ثابت، براء بن عازب اور ابن عمر رضی اللہ عنہم جیسے جوش ایمانی سے معمور اور جذبہ جہاد سے سرمست نوجوانوں کے ساتھ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور شرکت جنگ کی اجازت چاہی، لیکن رحمت و شفقت کے پیکر رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت نے اس نوعمر لڑکے کو اجازت نہ دی، اور آپ کو بادل نخواستہ اور بادیدۂ نم مدینہ واپس آنا پڑا ﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور یہی کم عمری ۳ھ غزوۂ اُحد میں بھی شرکت سے مانع بنی، آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

((لَمْ أُجِزْ فِي بَدْرٍ وَلَا أُحُدٍ وَأُجِزْتُ فِي الْخَنْدَقِ)).[1]

"مجھے غزوۂ بدر اور اُحد میں شرکت کی اجازت نہ ملی، لیکن غزوۂ خندق میں اجازت مل گئی۔"

لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے تھے۔[2] اہل سیر و سوانح اس بات پر متفق ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کفر و اسلام کی عظیم جنگ غزوہ خندق جس جنگ کا ماڈل یہودیوں کے سازشی دماغ نے تیار کیا تھا (اور اس غزوہ میں اسلام کی کمر توڑنے کے لئے پوری کافر دنیا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی تھی) میں شرکت کی جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کی

---

① اسد الغابة ۸۶/۱

② غزوۂ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں، اس غزوہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے:
السيرة النبوية لابن هشام ۲۳۶/۳-۲۵۶

عمر مبارک صرف سولہ سال تھی، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ نے خندق کی کھدائی میں سرگرم رول ادا کیا، اور خندق سے مسلمانوں کے ساتھ آپ بھی مٹی نکال رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر دیکھ کر مسرت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ مبارک اور قیمتی جملہ نکلا:

"یہ لڑکا تو بڑا پیارا لڑکا ہے" [1]

اسے مختصر سا جملہ مت کہیے بلکہ یہ تو زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خوبیوں، اچھائیوں اور رفعتِ شان اور بلندی کرداری کی سند ہے۔ سولہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؟ ابتدائے جوانی اور عنفوان شباب کا زمانہ ہوتا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ مٹی ڈھوتے ڈھوتے تھک کر چور ہو گئے اور آپ کی آنکھ لگ گئی، حضرت عمارہ بن حزم (آپ کے چچا ہیں) نے سوتے دیکھا تو ازراہِ مزاح یا شاید تنبیہ کی غرض سے آپ کے ہتھیار اٹھا لئے اور آپ کو خبر نہ ہوئی۔ [2]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سوتے ہوئے دیکھا تو بڑے پیار بھرے اور محبت آمیز لہجہ میں مخاطب ہو کر فرمایا:

((قُمْ یَا اَبَا رُقَادٍ)).

"اے نیند کے باپ اُٹھ جایئے۔"

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کا مذاق پسند نہ آیا اور آپ نے منع فرمایا کہ کسی مسلمان کا اسلحہ ازراہِ مذاق بھی نہ لیا جائے۔ [3] غزوہ خندق کے بعد جتنے بھی غزوات ہوئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((ثُمَّ شَهِدَ مَا بَعْدَهَا)). [4]

---

[1] الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۵۳۱، نیز دیکھئے اسد الغابۃ ۲/۲۴۷

[2] ، [3] الاصابۃ ۳/۵۴۳

[4] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۳/۳۰۱

غزوۂ تبوک میں

غزوہ تبوک ۹ ھ [1] میں بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے، اس غزوہ میں آپ کے قبیلہ مالک بن نجار کے علمبردار حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر آپ کو دے دیا، جو ایک اعزاز تھا، حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کسی غلطی سے خفا ہو کر مجھ سے علم لے کر زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا ہے، چنانچہ انہوں نے دریافت کیا اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایسی کوئی بات نہیں تم سے غلطی نہیں ہوئی۔

((لٰكِنَّ الْقُرْآنَ مُقَدَّمٌ وَزَيْدٌ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ مِنْكَ)). [2]

"لیکن بہر کیف قرآن کریم مقدم ہے اور زید (رضی اللہ عنہ) تم سے زیادہ قرآن یاد کر چکے ہیں۔"

یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تمام تر فضیلتوں سے بالکلیہ صرف نظر کر لیا جائے تو آپ کی شان اور مرتبہ ومقام کی بلندی کے لئے صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا یہ جملہ ہی کافی وشافی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عہدِ صدیقی میں

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں آپ کا کردار

وہ بڑا ہی نازک وقت تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے، اس وقت سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار جمع ہوئے، اور حضراتِ انصار کے بعض مقرروں نے خلافت وامارت کا انصار کو حقدار ثابت کرنے کے لئے پُرجوش اور ولولہ انگیز تقریریں شروع کر دی تھیں، ان حضرات کا مطالبہ

---

[1] غزوہ تبوک کو جیش عسرہ بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
السيرة النبوية لابن هشام ٤/١٤٩ تا ١٩١، البداية والنهاية ج: ٥

[2] المستدرک للحاکم ٣/٤٢١، دیکھئے التهذيب لابن عساكر ٥/٤٤٩، اسد الغابة ٢/٣٤٧، الاستيعاب مع الاصابة ١/٥٣٢، وقال هذا عندی خبر لا يصح، والله اعلم

تھا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے اور دونوں مل کر امور خلافت انجام دیں، اور ان حضرات نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے نام کی تجویز پیش کی، یہ تقریریں ہو رہی تھیں کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما خلافت کی گھتیوں کو سلجھانے آپہنچے۔ ایسے نازک اور بڑے ہی پُر خطر موقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قائدانہ کردار ادا کیا، اور ملتِ اسلامیہ کو بکھرنے اور ٹوٹنے سے بچایا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بڑی ہی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے حضراتِ مہاجرین کی خلافت کے حق میں بڑا ہی مؤثر خطبہ دیا۔ چنانچہ امام ابوداؤد طیالسی اپنی مسند میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے:

((لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ خُطَبَاءُ الْأَنْصَارِ فَتَكَلَّمُوا وَ قَالُوا: رَجُلٌ مِنَّا وَ رَجُلٌ مِنْكُمْ، فَقَامَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ نَحْنُ أَنْصَارُهُ، وَ إِنَّمَا يَكُونُ الْإِمَامُ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ نَحْنُ أَنْصَارُهُ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا يَا مَعَاشِرَ الْأَنْصَارِ وَ ثَبَّتَ قَائِلَكُمْ لَوْ قُلْتُمْ غَيْرَ هٰذَا مَا صَالَحْنَاكُمْ)). [1]

"کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو انصار کے مقررین نے تقریریں کیں اور انہوں نے اپنی تقریروں میں کہا کہ ایک خلیفہ ہمارا ہو گا اور ایک آپ کا۔ اس موقع پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اور ہم ان کے انصار و اعوان رہے (یعنی مددگار) اس لیے خلیفہ مہاجرین میں سے ہو گا اور ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انصار کی جماعت! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے کہنے والے (نمائندہ) نے بہترین اور اچھی بات کہی ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی بات آپ حضرات کہتے تو ہم لوگ نہیں مانتے۔"

لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی گفتگو سننے کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۷۷/۴، دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ ۳۰۶/۶

”تمہارے نمائندے نے سچ کہا اگر تم اس کے علاوہ کوئی تجویز پیش کرتے اور کسی اور کو خلیفہ بناتے تو ہم بیعت نہیں کرتے۔“ [1]

غرض کہ سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع پر بڑی حکمت اور دانشمندی سے اس مسئلہ کو حل فرمایا اور انتشار و افتراق اور پھوٹ سے امت کو بچالیا، تمام صحابہ، مہاجرین و انصار نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

شوریٰ کی رکنیت

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منصب کتابت (جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مامور کیا تھا) پر برقرار رکھا بلکہ آپ کو رکن شوریٰ بھی نامزد کیا، جس منصب پر خلافتِ فاروقی اور عہد عثمانی میں بھی کام کرتے رہے۔

جنگ یمامہ

آفتابِ نبوت کے غروب ہوتے ہی جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو ہر چہار جانب ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی، جہاں بعض قبائل عرب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا وہیں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ، سجاع، جیسے بد باطنوں نے نبوت کا دعویٰ کردیا اور قصر نبوت میں سیند لگانے کی ناکام کوشش کی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں کا حکمت مومنانہ ہمت فرزانہ اور جرأت مردانہ سے مقابلہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیرہ ہزار کی فوج مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، یہ لڑائی بڑی گھمسان کی ہوئی اس جنگ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی بڑے جوش و خروش سے لڑے اور ذی الحجہ ۱۱ ہجری [2] میں ہونے والی اس جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ تیر سے زخمی ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

((وَقَدْ شَهِدَ زَيْدٌ الْيَمَامَةَ وَاَصَابَهُ سَهْمٌ فَلَمْ يَضُرُّهُ)).

”کہ حضرت زید یمامہ میں شریک ہوئے اور تیر سے زخمی ہوئے، لیکن کوئی نقصان

---

① دیکھئے: البداية والنهاية ٦/٣٠٦

② اس جنگ کی تفصیل کے لئے دیکھئے البدایہ والنہایہ ۴/۳۰۵ تا ۳۱۹

نہ ہوا۔"

غرض کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معاون و مددگار اور ناصر و حامی رہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ فرضی اللہ عنہ ورضوعنہ

تالیف قرآن

جنگ یمامہ میں جب حفاظ اور قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی تعداد میں شہید ہوئے، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کے ضیاع اور بربادی کا خدشہ لاحق ہوا، اور آپ کے اصرار اور بار بار مراجعت پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرما دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس عظیم ترین اور نازک ترین معاملہ کی ذمہ داری حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

((وَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفَنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِيْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ ، قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ ! فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ : هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ لَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهٗ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ فَقُمْتُ : تَتَبَّعْتُ أَجْمَعُهٗ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ)).[1]

"کہ بخدا اگر انہوں نے مجھے کسی پہاڑ کے منتقل کرنے کا حکم دیا ہوتا تو وہ میرے لئے اتنا بارِ گراں نہ ہوتا، جتنا کہ قرآن کریم کا جمع کرنا تھا، میں نے ان دونوں ہی حضرات سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کریں گے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا وہ بھلا کام ہے تو میں برابر ان سے رجوع کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ نے میرا شرح صدر فرما دیا اس کام کے لئے جس کام کے لئے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا شرح صدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کر کے کھجور کی شاخوں، ہڈیوں، کپڑوں کے چیتھڑوں اور لوگوں کے سینوں

---

① بخاری ۲/۲۷۶، باب قوله لقد جاء کم۔ نیز دیکھئے: بخاری باب جمع القرآن رقم ۷۹۸۶، سیر اعلام النبلاء ۴/۷۶

سے جمع کیا۔"[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اگر ان کی تمام فضیلتوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تو ان کی فضیلت کے لئے صرف یہی کارنامہ کافی ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ عہدِ فاروقی میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں شوریٰ کونسل تشکیل دی۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی دُور بین اور حقیقت شناس نگاہوں نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی رکنیت دی، ان میں ایک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے، آپ کے علاوہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اسماء شامل ہیں۔[2] ان حضرات کے علاوہ اس کونسل میں اور کون حضرات شامل تھے مجھے اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

منصب قضاء کی ذمہ داری

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب باضابطہ اسلامی حکومت کی توسیع وتاسیس کی اور آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ عدالتی انتظام کو علیحدہ کیا اور قاضیوں کی تقرری کی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے، ان کو قاضی مقرر کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ متعین فرمائی۔ چنانچہ حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((اِسْتَعْمَلَ عُمَرُ زَيْدًا عَلَى الْقَضَاءِ وَفَرَضَ لَهُ رِزْقًا)).[3]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قاضی بنایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ متعین کی۔"

آپ رضی اللہ عنہ اس منصب پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی فائز رہے۔ اور حضرت عثمان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قضاء کے معاملہ میں آپؓ پر کسی کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔[4]

---

① پوری تفصیل کے لئے دیکھئے عہد صدیقی میں تدوین قرآن، باب اوّل کتابت وحی۔

② کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد ۲/۱۳٤، مطبوعہ حیدر آباد

③ سیر اعلام النبلاء ٤/۷۹ ④ سیر اعلام النبلاء ٤/۷۸

امارتِ مدینہ

روز بروز آپ رضی اللہ عنہ کا اقتدار اور اعزاز دربار فاروقی بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ ۱۶ھ اور ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا جانشین بنایا اور زمام اقتدار آپ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمایا، چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

((حَجَّ عُمَرُ وَاسْتَخْلَفَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ)).①

"کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا خلیفہ مقرر کیا۔"

اسی طرح جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کے نام شام سے خط لکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کو کارگزار خلیفہ متعین کیا:

((اِنَّ عُمَرَ اِسْتَخْلَفَ زَيْدًا وَ كَتَبَ اِلَيْهِ مِنَ الشَّامِ اِلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ مِنْ عُمَرَ)).②

غرض کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی مدینہ کے باہر کا سفر کرتے تو زمام اقتدار اور منصب امارت آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرماتے، قاسم بن محمد تو یہاں تک کہتے ہیں:

((كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُ زَيْدًا فِيْ كُلِّ سَفَرٍ)).③

اس منصب کو آپ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں کم سے کم تین بار زینت دی تو دورِ عثمانی میں بھی یہ منصب آپ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔

((وَ كَذَالِكَ عُثْمَانُ يَسْتَبِيْنُهُ عَلَى الْمَدِيْنَةِ اَيْضًا)).④

آپ رضی اللہ عنہ نے امارت کی ذمہ داری اس حسن و خوبی سے انجام دی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے تو آپ کی حسن کارکردگی سے متاثر ہوئے، اور آپ کی خوب خوب تحسین و توصیف فرمائی اور بطور جاگیر ایک کھجور کا باغ عنایت فرمایا، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ

---

① البدایۃ والنہایۃ ۱۱۵/٤، نیز دیکھئے: اسد الغابۃ ۳٤۷/۲، سیر اعلام النبلاء ۷۸/٤

② حوالہ جات سابق

③ حوالہ جات سابق، نیز البدایہ والنہایہ ۳۰۱/۳

④ البدایہ والنہایہ ۳۰۱/۳، نیز دیکھئے: اسد الغابہ ۳۴۷/۳

کے صاحبزادے حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُ اَبِيْ فَقَلَّمَا رَجَعَ اِلَّا اَقْطَعُهٗ حَدِيْقَةً مِنْ نَخْلٍ)).[1]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے والد کو خلیفہ مقرر فرماتے تھے، تو عموماً ایسا ہوتا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوٹتے تو آپ کو کھجور کا ایک باغ عنایت فرماتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو کہ قرآن کریم کے بڑے عالم اور قراۃ کے امام ہیں (اور جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ انہیں قرآن سنایئے)[2] کا کھجور کے توڑنے کے بارے میں تنازع ہو گیا، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے رونے لگے کہ تمہاری حکومت میں یہ سب ہوگا اے عمر رضی اللہ عنہ! اور آپ رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ کا فیصل اور حکم بنانے کی تجویز پیش کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی فوراً حامی بھر لی اور یہ دونوں ہی اپنے اس مقدمہ کے فیصلہ کے لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوئے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اس عدالتی کارروائی، اور اس مقدمہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((تَنَازَعَ عُمَرُ وَ اُبَيٌّ فِيْ جِدَادِ نَخْلٍ فَبَكٰى اُبَيٌّ، ثُمَّ قَالَ: اَفِيْ سُلْطَانِكَ يَا عُمَرُ رضی اللہ عنہ! قَالَ: اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ رَجُلًا فَقَالَ اُبَيٌّ زَيْدٌ رضی اللہ عنہ، فَانْطَلَقَا حَتّٰى دَخَلَا عَلَيْهِ، فَتَحَا كَمَا اِلَيْهِ فَقَالَ بَيِّنَتَكَ يَا اُبَيُّ! قَالَ: مَا لِيْ بَيِّنَةٌ قَالَ: فَاعْفُ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْيَمِيْنِ، (فَقَالَ عُمَرُ) لَا تَعْفُ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْبَيِّنَةَ اِنْ رَاَيْتَهَا عَلَيْهِ)).[3]

"کہ حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کا کھجور کے کاٹنے کے سلسلہ میں

---

① سیر اعلام النبلاء، ۷۸/۴

② دیکھئے: ترمذی ۶۲۴/۵، رقم الحدیث ۳۷۹۳، بخاری، باب مناقب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

③ اخبار القضاۃ ۱۰۸/۱، عن الشعبی بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۷۸/۴

جھگڑا ہوا تو حضرت ابی رو پڑے اور انہوں نے کہا کیا تمہاری بادشاہت میں یہی ہوگا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان کسی کو فیصل بناؤ، حضرت ابی نے کہا کہ زید رضی اللہ عنہ کو حکم بناتا ہوں، چنانچہ وہ دونوں ہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور مرافعہ درج کیا، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ بینہ پیش کریں اے ابی! انہوں نے کہا میرے پاس بینہ (ثبوت) نہیں ہے، تو حضرت نے کہا امیر المومنین سے قسم کو معاف کردیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ قسم کو ضروری سمجھتے ہیں تو امیر المومنین کو (یعنی مجھے) قسم سے معافی کی ضرورت نہیں ہے"۔

حضرت عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما میں یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا، اس کے اسباب کیا تھے؟ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، مجھے تو صرف یہ دکھلانا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ رضی اللہ عنہ کے علم اور صلاحیت پر اس درجہ اعتماد تھا کہ حضرت عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ بھی اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم وثالث اور فیصل متعین فرماتے تھے، جو آپ رضی اللہ عنہ کی علمی شان وفقہی بصیرت اور قوتِ فیصلہ کی سند ہے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۵ رجب ۱۶ھ/ہجری مطابق ۶۲۶ء یرموک[1] کی وہ مشہور جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں نے عیسائیوں کو عبرتناک شکست دی اور تقریباً ستر ہزار عیسائی فوجی کام آئے، جب کہ تین ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اس جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا، اس کی تقسیم کا بارِ گراں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ (حضرت زید رضی اللہ عنہ) ہی کے کندھوں پر ڈالا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ اور علامہ ابن کثیر رحمہما اللہ وغیرہ نے جنگ یرموک کو عہد صدیقی رضی اللہ عنہ کے واقعات میں شمار کیا ہے، جبکہ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے عہد فاروقی کے واقعات میں شمار کیا ہے۔

((هُوَ الَّذِيْ تَوَلّٰى قِسْمَ غَنَائِمِ الْيَرْمُوْكِ)).[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے بڑے قدر شناس اور قدردان تھے، اور آپ کی علمی قدر و منزلت فقہی مرتبہ و بلندی کے معترف تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ برملا اس کا اعلان بھی کرتے تھے، چنانچہ سفر شام کے دوران مقام جابیہ پر وہ مشہور خطبہ دیا، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید، ابی بن کعب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے خیالات و احساسات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

((مَنْ اَرَادَ الْقُرْآنَ فَلْيَأْتِ أُبَيًّا ، وَ مَنْ اَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ الْفَرَائِضَ فَلْيَأْتِ زَيْدًا ، وَمَنْ اَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ الْفِقْهَ فَلْيَأْتِ مُعَاذًا)).[2]

”جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس اور علم فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید رضی اللہ عنہ کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیوان قائم کیے اور لوگوں کے ان کے درجات کے مطابق وظائف مقرر کیے تو وظیفہ کی مقدار اور اس کے مستحق تمام لوگوں کی فہرست آپ رضی اللہ عنہ ہی نے تیار کی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتاب الخراج میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضراتِ انصار کے وظائف کی تقسیم کا کام بطور خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد کیا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی ابتداء عوالی (یعنی قباء وغیرہ) سے کی، پھر بنو عبد الاشہل کو وظائف دیے، پھر ان کے قبیلہ اوس کی دوسری شاخوں کو پھر قبیلہ خزرج کو وظائف دیے، اور بعد کو اپنا حصہ متعین فرمایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۴ ر ہجری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اعزاز و اکرام میں

---

① الاصابة فی تمییز الصحابة ۱/۵۴۳، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۴/۷۴

② سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۶

میں کوئی کمی نہ کی۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ہر طرح سے مدد کی اور ہر موڑ پر آپ کی معاونت فرمائی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے مراسم

جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تعظیم وتکریم فرماتے آپ بھی حضرت عثمان کی تعظیم وتکریم فرماتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ کے اتنے گہرے مراسم اور اس قدر والہانہ تعلقات تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو لوگ "عثمانی" کہنے لگے، چنانچہ حضرت ابوعمرو فرماتے ہیں:

((کَانَ عُثْمَانُ مُحِبٌّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَ کَانَ زَیْدٌ عُثْمَانِیًّا)).[1]

"کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، اور حضرت زید تو عثمانی ہی تھے۔"

بیت المال کی ذمہ داری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے حج کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب اور خلیفہ متعین فرماتے اور زمام اقتدار آپ ہی کے ہاتھوں سپرد فرماتے تھے۔

((وَ کَذٰلِكَ کَانَ عُثْمَانُ یَسْتَنِیْبُهٗ عَلَی الْمَدِیْنَةِ اَیْضًا)).[2]

اور آپ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی مدینہ کے قاضی رہے۔[3] ان عہدوں اور منصبوں کے علاوہ ۳۱ر ہجری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کی حساب دانی کی مہارت پر کلی اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو مدینہ منورہ کے مرکزی بیت المال کا افسر مقرر کیا اور وزارتِ خزانہ کی اضافی ذمہ داری بھی آپ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر آ پڑی، جسے آپ نے بخوبی نبھایا۔[4]

---

① الاستیعاب فی اسماء الصحابۃ، مع الاصابۃ ۱/۵۲٤
② البدایۃ والنہایۃ دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۵۳۳
③ البدایۃ والنہایۃ ٤/۲۳۹، ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء ٤/۷۸

ایک واقعہ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا افسر مقرر کیا تو آپ اس کام کی اہمت اور ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ایک غلام سے "بیت المال کے انتظام و انصرام میں تعاون اور مدد لینے لگے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا یہ کون ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ میرا غلام وہیب ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی دو ہزار تنخواہ مقرر کی، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ہی فرمائش پر ایک ہزار کردی، چنانچہ صاحب استیعاب رقم فرماتے ہیں:

((فَدَخَلَ عُثْمَانُ فَأَبْصَرَ وَهِيْبًا يُعِيْنُهُمْ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ، فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ زَيْدٌ: مَمْلُوْكٌ لِيْ، فَقَالَ عُثْمَانُ: أَرَاهُ يُعِيْنُ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَهُ حَقٌّ وَإِنَّا نَفْرِضُ لَهُ فَفَرَضَ لَهُ أَلْفَيْنِ، فَقَالَ زَيْدٌ: وَاللّٰهِ لَا تَفْرِضْ لِعَبْدٍ أَلْفَيْنِ (فَفَرَضَ) أَلْفًا)).[1]

"ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت وہیب کو بیت المال کے کام میں ہاتھ بٹاتے دیکھا تو دریافت کیا یہ کون ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ مین دیکھ رہا ہوں کہ وہ مسلمانوں کا تعاون کررہے ہیں، لہٰذا ان کا حق ہے کہ ہم ان کا وظیفہ متعین کریں، اور دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، تو اس پر حضرت زید نے عرض کیا کہ خدارا ایک غلام کی تنخواہ دو ہزار متعین نہ کریں تو حضرت عثمان نے ایک ہزار متعین کیا۔"

تدوین عثمانی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم کی قرأت میں مسلمانوں کے اختلاف کو دیکھا اور ایک قرأت پر اُمت کو جمع کرنے کا ارادہ فرمایا تو قرآن کی تدوین کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ ہی کے کندھوں پر ڈالی، جس ذمہ داری کو آپ رضی اللہ عنہ نے بحسن خوبی انجام دیا، اور آج پوری اُمت آپ ہی کے مدوّن کردہ قرآن کریم کی تلاوت کرتی

① الاستیعاب مع الاصابة ٥٣٤/١

ہے۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد کیوں کی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری کیوں نہ دی؟ اور اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ناگواری اور ناراضگی کا ذکر کرتے ہوئے خود ہی فرماتے ہیں:

((مَنْ يَعْذِرُنِي ابْنَ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ؟ غَضِبَ إِذَا لَمْ أُوَلِّهِ نَسْخَ الْمَصَاحِفِ؛ هَلَّا غَضِبَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ إِذْ عَزَلَاهُ عَنْ ذَالِكَ وَ وَلَّيَا زَيْدًا فَاتَّبَعْتُ فِعْلَهُمَا)).[2]

"کوئی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جا کر میری طرف سے معذرت کر لے، (اور ان سے پوچھے) کہ جب میں نے ان کو قرآن کریم کی کتابت (تدوین) کی ذمہ داری نہ دی تو مجھ پر خفا ہو گئے، آخر وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر کیوں نہیں خفا ہوئے جب انہوں نے ان کو اس کام سے علیحدہ کر دیا، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سپرد کر دی، میں نے بھی تو انہیں دونوں حضرات کی پیروی کی ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حصار اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بے چینی

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اخیر زمانہ تھا کہ فتنہ فساد کی آگ بھڑک اٹھی، بلوائیوں اور مصری دنگائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، تو جہاں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشہ نشینی میں عافیت سمجھی وہیں حضرت زید بن ثابت حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے نکلے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے قسم دے کر منع کر دیا اور حکم دیا کہ اس معاملہ میں آپ حضرات غیر جانب دار رہیں اور ہمارے معاملات اللہ ہی پر چھوڑ دیں اللہ کو جو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((وَاسْتَقْبَلَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ: مِنْهُمْ أَبُو هُرَيْرَةَ وَابْنُ عُمَرَ وَزَيْدُ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: جمع قرآن کا تیسرا مرحلہ اور تدوین عثمانی رضی اللہ عنہ

[2] سیر اعلام النبلاء، ۴/۷۸

بْنُ ثَابِتٍ فِي الْمُحَارَبَةِ عَنْ عُثْمَانَ ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ يُقْسِمُ عَلَيْهِمْ لِمَا كَفُّوْا أَيْدِيَهُمْ وَسَكَنُوْا حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ)).[1]

"کہ صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت ابوہریرہ، ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے تیار ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر ان حضرات کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور اپنے گھروں میں رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے فیصلہ فرمادے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھرپور کوشش کی اور اپنی پوری قوت صرف کردی کہ کسی طرح یہ فتنہ ختم ہوجائے اور فساد کی آگ ٹھنڈی ہی ہوجائے، حتیٰ کہ آپ نے اس فتنہ کی سرکوبی اور امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے حضرات انصار کو آواز دی۔

((يَا لَلْأَنْصَارُ كُوْنُوْا أَنْصَارَ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ أُنْصُرُوْهُ وَاللّٰهِ إِنَّ دَمَهُ لَحَرَامٌ)).

"کہ اے انصار کی جماعت! اللہ کی دوبارہ مدد کرو اور ان کی (عثمان رضی اللہ عنہ) کی مدد کرو خدا کی قسم ان کا خون حرام ہے۔"

لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ تمام تر کوششیں سودمند اور بارآور نہ ہوسکیں، اور ہوا وہی جس کا فیصلہ ازل ہی میں کاتبِ تقدیر نے کر رکھا تھا، اور ان ملعون بلوائیوں نے امیرالمؤمنین حضرت عثمان کو شہید کرڈالا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین میں آپ رضی اللہ عنہ کی شرکت

اہل خوارج نے امام مظلوم امیرالمؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کرڈالا، اور آپ کی مبارک لاش بے یار و مددگار اور بے گور و کفن تین دنوں تک آپ کے حجرہ میں رکھی رہی اور ان خارجی بلوائیوں کے خوف و ہراس اور ڈر سے کسی کی جرأت نہیں ہورہی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرے، لیکن اس موقع پر جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمت و جرأت اور دلیری سے کام لے کر مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں جنت البقیع میں آپ کی نعش کی تدفین کی ان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پیش پیش رہے، آپ کے علاوہ جن

[1] البدایة والنہایة ۱/۱۸۴.

صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کی، ان میں حکیم بن حزام، حویطب بن عبدالعزیٰ، ابوالجہم بن حذیفہ، تیار بن مکرم الاسلمی، جبیر بن مطعم، کعب بن مالک، طلحہ، زبیر، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ دو عورتیں، حضرت عثمان کی اہلیہ حضرت نائلہ اور حضرت ام البنین بنت عتبہ بن حصین اور دو بچوں نے بھی شرکت کی۔ [1]

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ تعظیم وتکریم فرماتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور آپ کے فضل وکمال کے معترف تھے اور آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، حافظ ابن کثیر کا بیان ہے:

((وَكَانَ عَلِيٌّ يُحِبُّهُ وَكَانَ يُعَظِّمُ عَلِيًّا وَيَعْرِفُ لَهُ قَدْرَهُ)). [2]

"کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے محبت فرماتے تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کی تعظیم کرتے اور آپ کی قدرومنزلت کا اعتراف فرماتے تھے۔"

لیکن ان تمام تر گہرے مراسم اور دلی تعلقات اور احترام وجذبات کے باوجود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اور جنگ جمل جو (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی ہیں) میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے سے اجتناب اور پرہیز کیا اور ان جنگوں میں غیر جانبدار رہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی مالکی رقم طراز ہیں:

((وَلَمْ يَكُنْ فِيمَنْ شَهِدَ شَيْئًا مِنْ مَشَاهِدِ عَلِيٍّ مَعَ الْأَنْصَارِ وَكَانَ مَعَ ذَالِكَ يُفَضِّلُ عَلِيًّا وَيُظْهِرُ حُبَّهُ)). [3]

"کہ آپ رضی اللہ عنہ نے انصار کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی بھی جنگ میں حصہ نہیں لیا، لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے معترف تھے اور

---

① البداية والنهاية ١٩٩/٤ ② البداية والنهاية ٣٠١/١ ③ الاستيعاب مع الاصابة ٥٢٤/١

آپ رضی اللہ عنہ سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔"

غرض کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ان جنگوں کے بارے میں جو حضرات صحابہ کے درمیان ہوئیں، وہی موقف اور نظریہ تھا، جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ان تمام جنگوں میں غیر جانبدار رہے۔

اہل بیت کی تعظیم وتکریم:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہی محبت اور ان کی تعظیم وتکریم اور عزت واحترام نہیں کرتے، بلکہ تمام اہل بیت سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور ان کا بہت احترام فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں) نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا رکاب پکڑلیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ہاتھ کو احتراماً چوما اور بوسہ دیا اور فرمایا:

((هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا)).[1]

"کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنے نبی کے گھر والوں کی تعظیم کریں۔"

وفات:

کوئی چیز کتنی ہی مفید ونافع اور سودمند کیوں نہ ہو، اسے ایک نہ ایک دن ختم ہو جانا ہے، اس لئے کہ تمام چیزوں کو فنا ہے اور ہر چیز فنا ہی کے لئے پیدا ہوئی ہے، کیونکہ بقا ودوام تو صرف اللہ رب العزت کی ذات کو حاصل ہے اور اسی کے لائق ہے اور وہ ہی باقی اور قائم رہنے والا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾

(الرحمٰن: ۲۶-۲۷)

اور دیکھتے ہی دیکھتے ۴۵ھ ہجری کا وہ دن آ ہی گیا جس دن مشکوٰۃ نبوت کا یہ روشن چراغ گل ہو گیا، اور دنیا علم وفقہ فرائض ومعانی کی موسلا دھار بارش سے محروم ہو گئی، اور

---

[1] کنز العمال ۳۹۶/۱۳، رقم الحدیث ۳۷۰۶، دیکھئے: الاصابۃ ۵٤۳/۱

ہزاروں لاکھوں تشنگانِ علم اور قدر دانِ زید رضی اللہ عنہ یتیم ہو گئے۔ آپ تقریباً اپنی زندگی کے انسٹھ سال گزار کر اپنے مالکِ حقیقی اور اپنے حبیب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔[1] رضی اللہ عنہ ورضاہ۔ صحابیٔ رسول حضرت مروان بن حکم نے آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی، جب کہ کچھ لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ۴۳ھ ذکر کی ہے اور بعض نے ۵۱ ہجری ذکر کی ہے، لیکن پہلا قول صحیح اور راجح ہے۔[2]

آپ کی وفات پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعزیتی بیانات

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرات صحابہ نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، جلیل القدر صحابی اور آپ کے شاگرد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

((مَاتَ حِبْرُ الْأُمَّةِ وَلَعَلَّ اللهَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْهُ خَلَفًا)).[3]

"آج خیر الامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) کی موت ہوئی ہے اور شاید اللہ نے چاہا تو اب ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی جگہ پُر کر دیں۔"

جب کہ مشہور صحابیٔ رسول اور رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے رنج و غم کو چھپا نہ سکے اور دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((دُفِنَ الْيَوْمَ عِلْمٌ كَثِيرٌ)).[4]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ اکابر صحابہ کو علم تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بے پناہ علم کے مالک تھے۔[5] اور جب شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے وصال پر اپنے رنج وغم اور دکھ

---

① البداية والنهاية ۳۱/۴، نیز دیکھئے: الاصابة ۵۴۴/۱، الاستیعاب مع الاصابة ۵۳۵/۱، اسد الغابة ۳۴۸/۲، سیر اعلام النبلاء ۸۲/۴

② حوالہ جات سابقہ

③ سیر اعلام النبلاء ۸۱/۴، دیکھئے: البداية والنهاية ۳۱/۴، اسد الغابة ۳۴۸/۲

④ سیر اعلام النبلاء ۷۱/۴، البداية والنهاية ۳۱/۴

⑤ سیر اعلام النبلاء ۸۱/۴، دیکھئے: البداية والنهاية ۳۱/۴، اسد الغابة ۳۴۸/۲

درد کا اظہار اس انداز میں کیا:

((فَمَنْ لِلْقَوَافِي بَعْدَ حَسَّانٍ وَابْنِهِ، وَمَنْ لِلْمَثَانِي بَعْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ)). ①

"حسان اور اس کے بیٹے کے بعد شعر و قوافی کی خدمت کون کرے گا، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد قرآن و معانی کی خدمت کون کرے گا۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات نے عورتوں کو بھی گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا، مدینہ اور اس کے اطراف کی عورتیں اپنے آنسو نہیں روک پائیں اور جب حضرت کے صاحبزادے حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں کو رونے سے منع کیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا:

((لَا نَسْمَعُ مِنْكَ، وَلَنَبْكِيَنَّ عَلَيْهِ ثَلَاثًا وَغَلَبْنَهُ)). ②

"کہ ہم آپ کی کوئی بات نہیں سنیں گی اور ہم ان کے غم میں تین دنوں تک روئیں گی، اور ان عورتوں نے ایسا ہی کیا۔"

رئیس المورخین حضرت واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت مروان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی پُر تکلف دعوت کی۔ ③

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اولاد:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر العیال بنایا تھا، آپ کے لڑکوں میں حضرت خارجہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے مشہور اور ممتاز ہوئے، اور ان کا شمار فقہاء سبعہ میں ہوتا ہے۔ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سعید، سلیمان، یحییٰ، عمارہ، اسمٰعیل، اسعد، عبادہ، اسحاق، ابراہیم، عبدالرحمٰن، زید، عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہم آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، جبکہ حسنہ، عمرہ، ام اسحاق، ام کلثوم، ام محمد، صفیہ اور قریبہ آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں تھیں۔ ④

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کا نام ام جمیل رضی اللہ عنہا تھا، جو مشہور بدری صحابی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی کنیت ام سعد تھی۔ ⑤

---

① سیر الاعلام النبلاء ۸۱/۴، الاصابۃ ۵۴۴/۱

② سیر اعلام النبلاء ۸۱/۴ ③ حوالہ سابق

④ سیر اعلام النبلاء ۷۴/۴ ⑤ حوالہ سابق

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

بنو قحطان کی سب سے مشہور اور طاقتور اور سب سے ترقی یافتہ نسل "سبا" کی تمام نسلوں میں سب سے بڑی نسل "کہلان بن سبا" [1] کے مشہور و معروف قبیلہ ازد میں رفیق (نبی ﷺ) اور ردیف صدیق حضرت عامر فہیرہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔

((وَكَانَ مَوْلِدًا مِنْ مُوَلِّدِي الْأَزْدِ)). [2]

---

[1] یہ نسل قحطانیوں کی تمام نسل میں شاید سب سے بڑی نسل ہے، جس میں بے شمار قبائل ہیں، ان خاص خاص قبائل، ہمدان، مذحج، کندہ، ازد، عاملہ، جذام، اشعر اور لخم ہیں، ان میں ہمدان اور مذحج زیادہ تر یمن ہی میں رہے، طے شمالی نجد کی اجا اور سلمی پہاڑیوں میں جا بسے، ان کی ایک شاخ اب تک وہیں مقیم ہے، اور شمر کے نام سے جانی جاتی ہے، قبیلہ طے مشہور اور بڑا قبیلہ تھا، حتیٰ کہ عجمی ممالک پورے عرب کو ہی طائی سمجھتے ہیں، اس قبیلہ کی مشہور شخصیتوں میں حاتم طائی، ابو تمام، بحتری، لخم شعراء کے نام قابل ذکر ہیں۔ قبیلہ ازد نے عمان میں قیام کیا اور ازد سنوءہ بہامہ میں آباد ہوئے، ازد کی شاخ میں بھی متعدد مشہور قبیلے گزرے ہیں، اور ان میں مشہور قبائل اوس و خزرج ہیں جو بعد کو انصار کہلائے ان کے علاوہ خزاعہ، غسان اور لخم ہیں:

"وَتَفَرَّعَ عَنْ قَبَائِلَ كَثِيرَةٍ أَشْهَرُهَا الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ وَعَنْهُمَا الْأَنْصَارُ، خَزَاعَة، وَغَسَّانُ وَلَخْمٌ.

(المنجد فی اللغۃ والاعلام باب الاعلام ص ٤٢)

غسان نے شام کے علاقے میں حکومت کی ان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم اور مشہور بادشاہ نعمان تھا، اور دار الحکومت دمشق تھی۔

کندہ: نجد میں جا کر آباد ہوئے ان کا آخری بادشاہ مشہور شاعر امرؤ القیس کا باپ تھا۔

قبیلہ اشعر: یہ وہی قبیلہ ہے جس کی طرف مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ منسوب ہیں، ان کا مشہور بادشاہ عمرو بن ہند تھا، نابغہ نے اس کی بڑی مدح کی ہے ان کی حکومت عراق سے احساء تک پھیلی ہوئی تھی۔ (ملخص: از جزیرۃ العرب، ص ۱۳۶-۱۳۵)

[2] الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۷، نیز دیکھئے: الاصابۃ ۲/۲٤۷، رقم: ٤٤١٥، تہذیب التہذیب ۲/۵۵، اسد الغابۃ ۳/۱۳٤

حلیہ مبارک

حضرت عامر بن فہیرہ زمانہ جاہلیت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی طفیل بن عبداللہ بن سنجرہ کے غلام تھے،[1] جن کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے ان کے والد عبداللہ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شادی کی، اور انہیں کے بطن سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔[2] آپ کی کنیت ابوعمرو تھی اور آپ گہرے سانولے رنگ کے تھے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((قَدْ كَانَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ۔ يُكْنَى اَبَا عَمْرٍو ۔ مِنْ مُوَلِّدِي الْاَزْدِ اَسْوَدُ اللَّوْنِ)).[3]

"کہ حضرت عامر بن فہیرہ جن کی کنیت ابوعمرو تھی، قبیلہ ازد کے چشم و چراغ تھے اور ان کا رنگ سیاہی مائل تھا۔"

اسلام اور اس راہ میں ایذائیں

حضرت عامر بن فہیرہ ان خوش بخت اور خوش نصیب لوگوں میں ایک ہیں جنہوں نے آفتاب نبوت کے حراء کے دامن سے طلوع ہوتے ہی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں چمکتے ہی اپنے قلب و دل کو اس نور سے منور اور مجلّٰی کر لیا، ہزاروں خداؤں اور لاکھوں معبودانِ باطل کی بیڑی اور طوقِ غلامی کو کاٹ کر خدائے وحدہ لاشریک کی اطاعت و فرمانبرداری کی زنجیر اپنے گلے میں ڈال لی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شعاری اور غلامی کا پٹہ برضا و رغبت اور خوشی خوشی پہن لیا، جھوٹے

---

[1] لیکن بخاری میں طفیل بن عبداللہ کی جگہ ان کا نام عبداللہ بن طفیل بن سنجرہ ذکر کیا گیا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۴۰۹۳) لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شاید بخاری کی روایت میں نام میں قلب واقع ہو گیا ہے اور صحیح نام طفیل بن عبداللہ ہی ہے جیسا کہ امام دمیاطی کا قول ہے۔ (فتح الباری ۸/ ۱۴۵)

[2] فتح الباری ۸/ ۱٤٥

[3] البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۳۰۳، نیز دیکھیے: اسد الغابۃ ۳/ ۱۳٤، الاصابۃ ۲/ ۲٤۷، الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/ ۷

خداؤں کا انکار کر کے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی صدا لگائی اور مشرف باسلام ہو گئے، اور خالق کائنات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ لیکن زمانہ کی بے وفائیوں کا کیا کیجئے کہ ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہتے ہی سارا زمانہ دشمن ہو گیا، کل کے دوست آج جان لینے پر آمادہ اور تُلے نظر آنے لگے، اور جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عالی نسب عالی خاندان اور تاجر کو محض اپنے رب کو رب کہنے کے جرم میں خود اسی رب کے گھر (کعبہ) میں بے دردی سے مارا پیٹا جا رہا ہے، اور تو اور خود اس ذات کو جو کائنات کے لئے رحمت بن کر آیا ہو ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء) کو زخمی اور لہولہان کیا جا رہا ہو، اور اس کو گالیاں دی جا رہی ہوں، وہاں اس کالے کلوٹے غلام کی کیا حقیقت تھی؟ اور اسے لوگ کہاں بخش سکتے تھے، اور ان پر کیونکر رحم کھا سکتے تھے، بس کیا تھا اِدھر زبان سے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی آواز نکلی اور اُدھر مصیبت وآلام کے پہاڑ توڑے جانے لگے، مارا پیٹا جانے لگا، اور کہا جانے لگا کہ روشنی سے بھاگ کر تاریکی میں آبسو، ایک خدا سے منہ موڑ کر ہزاروں کی غلامی کرو، ورنہ یہ سزا بھگتو، لیکن یہ سارے ظلم و جور اور زیادتی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ پیدا کر سکے اور آپ ایک لمحہ کے لئے اسلام سے نہ پھرے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((فَاَسْلَمَ قَدِيْمًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَارَ الْاَرْقَمِ [1] بْنِ اَبِي اَرْقَمَ الَّتِيْ عِنْدَ الصَّفَا مُسْتَخْفِيًا فَكَانَ عَامِرٌ يُعَذَّبُ مَعَ جُمْلَةِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ بِمَكَّةَ لِيَرْجِعَ عَنْ دِيْنِهِ فَيَاْبٰى)). [2]

"رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ اسلام لائے، حضرت عامر رضی اللہ عنہ ان کمزور لوگوں میں تھے جنہیں مکہ میں اس لئے اذیت دی

---

① یہ حضرت عبداللہ بن الارقم مخزومی کا مکان تھا، اور صفا کے دامن میں حرم سے متصل تھا یہاں حضور ﷺ اور مسلمان جمع ہوتے تھے اس مکان کو بعد میں دار الخیزران سے بھی موسوم کیا گیا۔

(جزیرۃ العرب، از مولانا محمد رابع حسنی ندوی، ص ۲۳۲)

② البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۳، دیکھئے: تہذیب التہذیب ۳/۵۵، اسد الغابۃ ۳/۱۳۴، الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۷

گئی تا کہ وہ اسلام سے پھر جائیں، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے دین اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا اور ثابت قدم رہے۔"

آزادی

لیکن یہ سارے ظلم و زیادتی مصائب و آلام اور ستم امت کے سب سے رحیم و کریم شخص ① کی آنکھیں کیونکر دیکھ سکتیں تھیں، اور یہ سب کچھ ان کا دل کیونکر برداشت کر سکتا تھا، جس کی فطرت ہی میں آزادی رکھی گئی ہو، اور "عتیق" یعنی آزاد کے نام سے موسوم کیا گیا ہو، بس کیا تھا وہ گھڑی آ گئی کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی مصیبت کی گھڑی ختم ہوا اور وہ آزادی کی فرحت بخش فضاء میں سانس لیں۔ چنانچہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طفیل ابن عبداللہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا:

((فَاشْتَرَاهُ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَاَعْتَقَهٗ)).② (رضی اللہ عنہما و رضوا عنہ)

غارِ ثور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

ایک طرف اسلام کے نام لیواؤں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا تو دوسری طرف اہل مکہ اور کفار قریش کے ظلم و ستم کی آندھی پوری قوت سے چل رہی تھی، اور ظلم و زیادتی کا طوفان تھمتا نظر نہ آ رہا تھا، روز بروز ان کا جور و ستم بڑھتا ہی جا رہا تھا، آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً "مکہ" کو خیر آباد کہنے کا ارادہ فرمایا اور مدینہ منورہ جانے کے لئے "مکہ" سے چھپ کر نکلے اور غار ثور میں پناہ لی، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین دنوں تک قیام فرمایا، ان تین دنوں میں جہاں حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے جاسوسی کے فرائض انجام دیئے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانے اور پینے کا انتظام فرمایا۔ اس

---

① یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((ارحم امتی بامتی ابوبکر)). (ترمذی ۶۲۳، رقم الحدیث ۳۷۹۰، ۳۷۹۱، عن انس بن مالک)

② تہذیب التہذیب ۵۵/۳، اسد الغابۃ ۱۳۴/۳، الاستیعاب مع الاصابۃ ۷/۳، البدایۃ والنہایۃ ۳۰۳/۵، نیز ۵۶/۲

طرح کہ آپ رضی اللہ عنہ شام کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں غارِ ثور کے پاس مکہ والوں کی نظروں سے چھپا کر بڑی رازداری کے ساتھ لے جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلاتے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((قَالَتْ: ثُمَّ لَحِقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَ اَبُوْبَكْرٍ بِغَارٍ فِيْ جَبَلِ ثَوْرٍ، فَكَمَنَا فِيْهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، يَبِيْتُ عِنْدَهُمَا عَبْدُاللهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَ هُوَ غُلَامٌ شَابٌّ ثَقِفٌ يَقِنٌ فَيُدْلِجُ عِنْدَهُمَا بِسَحَرٍ فَيُصْبِحُ مَعَ قُرَيْشٍ مَكَّةَ كَبَائِتٍ فَلَا يَسْمَعُ يُكْتَادَانُ بِهٖ اِلَّا وَعَاهُ، حَتّٰى يَاْتِيَهُمَا، بِخَبَرِ ذَالِكَ حِيْنَ يَخْتَلِطُ الظَّلَامُ، فَيَرْعٰى عَلَيْهِمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ مِنْحَةً مِنْ غَنَمٍ فَيُرِيْحُهَا عَلَيْهِمَا حِيْنَ تَذْهَبُ بِسَاعَةٍ مِنَ الْعِشَاءِ فَيَبِيْتَانِ فِيْ رَسْلٍ هُوَ لَبَنُ مِنْحَتِهِمَا وَ رَضِيْفِهِمَا حَتّٰى يَنْعِقَ بِهَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ بِغَلَسٍ يَفْعَلُ ذَالِكَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ)).[1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تین راتوں تک چھپے رہے، اور وہاں ان دونوں حضرات کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رات گزارا کرتے تھے جو کہ جوان گبرو اور بڑے چالاک تھے، اور ان دونوں کے پاس سے سحری کے وقت چلے آتے اور صبح مکہ میں قریش کے ساتھ کرتے گویا کہ انہوں نے رات یہیں (مکہ) بتائی ہو اور دن بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف جتنی سازشیں ہوتیں اسے یاد کرتے اور جب تاریکی پھیل جاتی تو غار میں آ کر اطلاع دیتے اور عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے وہ ایک دودھاری بکری کو تھوڑی رات گزر جانے کے بعد غار کے پاس لے آتے اور ان دونوں حضرات کو تازہ دودھ پلاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تازہ دودھ پی کر آرام سے رات بسر کرتے تھے، اور رات باقی رہتے

---

① بخاری ۱/۵۵۴، نیز دیکھئے: السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۲/۱۰۰-۹۹،
الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۷، اسد الغابۃ ۳/۱۳۴

ہی حضرت عامر بن فہیرہ بکریوں کو آواز دینے لگتے اور ریوڑ لے کر لوٹ جاتے اور تین راتوں تک آپ رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے رہے۔"

غرض کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے بڑے نازک اور پُرخطر وقت میں انتہائی امانت و دیانت اور رازداری کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور کسی کے کانوں کان خبر نہ لگی، یہ ایک ایسی نازک گھڑی تھی کہ اس وقت ہر کس و ناکس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آپ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کا اس عظیم ذمہ داری کو بحسن خوبی ادا کرنا آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کی صداقت و دیانت کی سند ہے۔ ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾

ہجرت

غار ثور میں تین راتوں تک روپوش رہنے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تیسری صبح مدینہ منورہ کے لئے نکل پڑے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ ہو گئے اور ان تین حضرات کے علاوہ صرف ایک قبیلہ بنی الدیل کے ماہر رہبر عبداللہ بن ارقد بھی [1] جو اب تک مشرف باسلام نہ ہو سکے تھے اس سفر میں شامل تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((فَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيْلُ)).[2]

"کہ ان دونوں کے ساتھ عامر بن فہیرہ اور رہبر بھی چل پڑے۔"

سفر ہجرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ایک ایسا اعجاز ہے، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ کا کوئی شریک نہیں، اور آپ اس اعجاز و اکرام پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

ردافت

عرب میں عام رواج تھا کہ جب اُونٹ یا کسی سواری پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص

---

① علامہ ابن ہشام نے ان کا نام عبداللہ بن اریقط ذکر کیا ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۲/۱۰۲)

② بخاری ۱/۵۵۴، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۲/۱۷۶، اسد الغابۃ ۳/۱۳۴، الاستیعاب، مع الاصابۃ ۳/۷، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۲/۱۰۲

آدمی کو اپنا ردیف بنالیتے تھے، جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا تھا، سرورِ کائنات ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر مختلف صحابہ کو اپنا ردیف بنایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ کی ردافت ایک بڑا عہدہ اور جلیل منصب تھا اور جسے آپ یہ عزت دیتے تھے انہیں صحابہ ردیف النبی کے لقب سے پکارتے تھے، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو گو کہ نبی اکرم ﷺ کی ردافت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن اسی سفرِ ہجرت میں حضور ﷺ کے یارِ غار اور محبوب دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ردافت کا شرف حاصل ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ ردیف النبی نہ سہی ردیف الصدیق ضرور بن گئے، جو کم از کم میری نظر میں کسی منصب جلیل اور باوقار عہدہ سے کسی طرح کم تر اور کہتر نہیں ہے۔

((فَأَرْدَفَهُ أَبُوبَكْرٍ خَلْفَهُ)). ①

سفرِ ہجرت کے دوران سیکریٹری کے فرائض

نبی کریم ﷺ کے مکہ چھوڑ دینے کے باوجود کفار کا جوشِ نفرت اور شعلہ انتقام سرد نہ ہوا، اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اُونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی، اس اعلان کے بعد ہی سراقہ بن مالک بن جعشم (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے) کو انعام کی لالچ نے رسول اللہ ﷺ کے تعاقب پر آمادہ کیا اور ان اونٹنیوں کی لالچ میں انہوں نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے نشاناتِ قدم کی مدد سے آپ کا تعاقب شروع کر دیا، لیکن ان کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑے، لیکن اب بھی ہار نہ مانی، اور آگے بڑھے حتیٰ کہ ان کے گھوڑے کے دونوں پیر زمین میں دھنس گئے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر سراقہ سمجھ گئے کہ اللہ آپ ﷺ کی مدد کر رہا ہے، اور آپ اللہ کے نبی برحق ہیں، پھر آپ ﷺ کو زور سے آواز دی کہ میں سراقہ ہوں میری غلطی معاف فرمائیں اور مجھے امان کی ایک تحریر دے دیں، جو بعد کو مجھے کام آئے، آپ ﷺ نے اس موقع پر حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا کہ ان کے لئے تحریر لکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالہ کر دی، چنانچہ بخاری میں ہے:

① اسد الغابة ۳/۱۳۱، دیکھئے: البداية والنهاية ۵/۳۰۳

((فَأَمَرَ عَامِرُ بْنَ فُهَيْرَةَ فَكَتَبَ لِي فِي رُقْعَةٍ مِنْ أُدُمٍ ثُمَّ مَضٰى)).[1]

غرض کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے سفر ہجرت کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور کاتب کے فرائض انجام دیئے۔

جب مدینہ کی فضاء راس نہ آئی؟

ہجرت کے مصائب و آلام اور دقت و پریشانیوں بھرے اور تھکا دینے والے سفر کے بعد جب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں کی فضا ان کو راس نہ آئی، اور شدید بخار میں مبتلا ہو گئے، یہی کچھ کیفیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی ہوئی، اور یہ دونوں حضرات بھی سخت ترین بخار کے شکار ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو خود بھی بیمار پڑ گئیں تھیں، اور اس موقع پر اپنے والد اور ان دونوں حضرات کی عیادت کو پہنچیں تھیں، بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے والد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی عیادت کرنے کے بعد عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی حالت دریافت کرنے پہنچی اور ان سے خیریت دریافت کی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎

لَقَدْ وَجَدْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهِ * إِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهُ مِنْ فَوْقِهِ
كُلُّ امْرِئٍ مُجَاهِدٌ بِطَوْقِهِ * كَالثَّوْرِ يَحْمِي جِسْمَهُ بِرَوْقِهِ [2]

بعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا:

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ حُبًّا وَ صَحِّحْهَا وَ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَ مُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا بِالْجُحْفَةِ)).[3]

"کہ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لئے مکہ ہی کی طرح یا اس سے کہیں زیادہ محبوب بنا دے، اور مدینہ کو امراض سے پاک کر دے اور اس کے صاع اور مد میں برکت

---

① بخاری ۱/۵۵٤، باب ھجرة النبی ﷺ الی المدینة، ملاحظہ ہو: السیرة النبویة ۲/۱۰۳، البدایة والنہایة ۵/۳۰۳-۱۵٦

② فتح الباری ۷/٦۸، نیز دیکھئے: الاصابة ۲/۲٤۷، السیرة النبویة لابن ھشام ۲/۲۰۱، بخاری ۱/۵۵۸، البدایة والنہایة ۲/۲۲۱

③ البدایة والنہایة ۵-۳۰۳، فصل کتاب الوحی

عطا فرما، اور اس کے بخار کو مقام جحفہ منتقل کردے۔"

کی برکت سے مدینہ وبا اور امراض سے پاک ہو گیا اور اس کی فضا نہایت صحت بخش اور سود مند ہو گئی۔

بھائی چارہ

جب مہاجرین کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرات انصار نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا، اپنے مال و دولت، تجارت و زراعت میں شریک کر لیا، اس موقع سے نبی ﷺ نے ایک ایک مہاجر صحابی کا ایک ایک انصاری صحابی سے مواخات (اور بھائی چارہ کروا دیا، اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ نے حضرت اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مواخات کرایا۔

((وَآخَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَوْسِ بْنِ مُعَاذٍ)).[1]

کہنے کو تو محض ایک رسمی رشتہ تھا، لیکن حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کا جتنا احترام اور لحاظ کیا تاریخ عالم اس کی نظیر اور مثال خونی اور نسبی رشتوں میں بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

غزوات وسرایا میں شرکت

ہجرت کے سترہ ماہ بعد غزوہ بدر سے پہلے ۲ ھ ہجری میں نبی ﷺ نے قریش کی نقل و حرکت کی تحقیق کے لئے اپنے جاسوسوں کی ایک جماعت کو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا، جن کی تعداد سات یا آٹھ تھی، اور یہ تمام حضرات مہاجرین تھے۔ اس سریہ (جس کو سریہ نخلہ بھی کہا جاتا ہے) میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، نبی کریم ﷺ نے اس سریہ کو روانہ کرتے وقت ایک خط دیا اور ہدایت فرمائی کہ اسے دو دن کی مسافت کے بعد "بطن ملل" میں ہی جا کر پڑھنا اور اس میں جو حکم ہو اس پر عمل کرنا، جب ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھا تو اس میں وادی نخلہ پہنچنے کا حکم تھا، لیکن جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو عمرو بن الحضرمی کے

---

[1] البداية والنهاية ٣٠٣/٥، فصل كتاب الوحي

قافلہ سے مڈبھیڑ ہو گئی اور حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا عثمان اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے اور ان کے مال و اسباب بھی ضبط کر لئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں پر اس لئے حملہ کیا، قتل اور گرفتاری کی کہ خدشہ تھا کہ یہ لوگ شور کر دیں گے، گو کہ صحابہ کا یہ حملہ اپنی دفاع اور تحفظ کے لئے تھا، لیکن چونکہ یہ واقعہ رجب کی پہلی رات میں پیش آیا تھا، اور رجب اشہر حرم میں تھا، ان مہینوں کا مسلمان اور کفار یکساں احترام کرتے تھے، کفار کو جیسے ہی معلوم پڑا انہوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور شور برپا کر دیا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی "اشہر حرام" کا احترام پامال کرتے ہیں:

قَالَتْ قُرَيْشٌ: اِسْتَحَلَّ مُحَمَّدٌ وَ اَصْحَابِهِ الْحَرَامَ وَ سَفَكُوْفِيهِ الدَّمَ)).[1]

تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ..... الخ﴾ (البقرہ:۲۱۷)

نازل فرمائی اور مسلمانوں کو اس کام کی وجہ سے جو پچھتاوا ہو رہا تھا، انہیں سکونِ قلب اور طمانیت حاصل ہو گیا۔[2] علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مورخین نے اس سریہ میں شرکت کرنے والوں کی فہرست میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا نام ذکر نہیں کیا ہے، لیکن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس سریہ میں شریک تھے، چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً وَ كَانُوْا سَبْعَةَ نَفَرٍ عَلَيْهِمْ عَبْدُاللهِ بْنُ جَحْشٍ وَ فِيْهِمْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَ اَبُوْ حُذَيْفَةَ بْنُ عُقْبَةَ، وَ سَعْدُ بْنُ اَبِي وَقَّاصٍ، وَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ وَ سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ، وَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَ وَاقِدُ بْنُ عَبْدِاللهِ الْيَرْبُوْعِيُّ)).[3]

غزوۂ بدر اور اُحد میں

اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والی دو سب سے پہلی اور سب سے بڑی جنگیں غزوۂ بدر

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۳/۲۴۹، دیکھئے: سیرت ابن ہشام ۲/۲۱۶

[2] حوالہ سابق [3] البدایۃ والنہایۃ ۳/۳۵

اور غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور خوب خوب دادِ شجاعت دی، چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

((وَشَهِدَ عَامِرٌ بَدْرًا وَاُحُدًا)).①

"کہ حضرت عامر بن فہیرہ بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔"

بیرِ معونہ اور آپ کی شہادت

غزوۂ اُحد کے ۱۴ ر مہینہ بعد صفر ۴ ر ہجری میں بیرِ معونہ کا وہ اندوہناک واقعہ پیش آیا، جس میں تقریباً ستر صحابہ عہد شکنی کی بھینٹ چڑھ گئے اور سب کے سب شہید کر دیئے گئے اس حادثہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت ملول ہوئے، اس واقعہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاری زخم پہنچایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے قبائل پر بددعائیں کیں اور ایک ماہ تک نماز میں قنوت پڑھی، یہ وہی شقی القلب لوگ تھے جنہوں نے ان ستر صحابہ پر حملہ کیا تھا اور بالآخر انہیں شہید کر دیا۔② یہ اندوہناک اور افسوس ناک واقعہ ہے جس میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا، چنانچہ حافظ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((وَ شَهِدَ عَامِرٌ بَدْرًا وَ اُحُدًا وَ قُتِلَ يَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَنَةَ اَرْبَعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَهُوَ ابْنُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً)).③

"کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ بدر، اُحد میں شریک ہوئے، اور ۴ ر ہجری میں چالیس سال کی عمر میں بیرِ معونہ میں شہید کر دیئے گئے۔"

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی کرامت

یہ ایک انوکھی اور عجیب و غریب بلکہ ناقابل یقین کرامت تھی، لیکن دیکھنے والوں نے

---

① اسد الغابة ۱۳۴/۳، دیکھئے: البداية والنهاية ۳۰۳/۵

② تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری ۵۸۶/۲-۵۸۵، باب غزوة الرجيع ورعل ذكوان وبير معونة، سيرة ابن هشام ۲۰۵/۳-۲۰۴، فتح الباری ۱۴۵/۸-۱۳۹

③ اسد الغابة ۱۳۴/۳، دیکھئے: الاصابة فی تمييز الصحابة ۲۴۷/۲، الاستيعاب مع الاصابة ۷/۳، البداية والنهاية ۳۰۳/۵

دیکھا کہ جب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو فرشتے ان کی مبارک لاش کو اُٹھا کر آسمان تک لے گئے اور پھر زمین پر رکھ دیا، چنانچہ اس واقعہ کے چشم دید گواہ اور بیئر معونہ میں مشرکین کے قائد اور سردار عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((فَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ)).[1]

"میں نے ان کو قتل کے بعد دیکھا کہ ان کی لاش آسمان کی طرف اُٹھائی گئی اور میں نے دیکھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہی پھر رکھ دی گئی۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کرامت کا ظہور حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لئے تو باعث فخر واحترام اور تعظیم وتکریم تھا، لیکن کفار کے لئے مقام خوف وعبرت تھا:

((وَفِي ذَالِكَ تَعْظِيمٌ لِعَامِرِ بْنِ فَهِيرَةَ وَتَرْهِيبُ الْكُفَّارِ وَتَخْوِيفٌ)).[2]

یہ واقعہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس قدر اہمیت اور حیثیت حاصل کر گیا اور اتنا مشہور ہوا کہ عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو پہیلی کی شکل میں صحابہ کے سامنے رکھتے کہ:

"بتاؤ تم میں کون ایسا آدمی ہے جس کی لاش فرشتے آسمان تک لے گئے۔"

اور حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ سوال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

((لَمَّا قَدِمَ عَامِرُ بْنِ الطُّفَيْلِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمَّا قُتِلَ رَأَيْتُهُ رُفِعَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ رَأَيْتُ السَّمَاءَ دُونَهُ ثُمَّ وُضِعَ فَقَالَ لَهُ: هُوَ عَامِرُ بْنُ فَهِيرَةَ)).[3]

---

① بخاری ۵۸۷، دیکھئے: اسد الغابة ۱۳۴/۳، السیرة النبویة ص ٤١٥، از: رزق اللہ احمد، الاصابة ۲۴۷/۲، مع الاستیعاب، الاصابة ۸/۳

② فتح الباری ۱٤٦/۸

③ الاستیعاب مع الاصابة ۸/۳، دیکھئے: البدایة والنهایة ۳۰۳/۵، اسد الغابة ۱۳۴/۳

تدفین

پوری اُمت میں غالباً حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ ان کی تدفین فرشتوں نے خود ہی کی اور غالباً صحابہ میں بھی اس شرف کو آپ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ پاسکا، چنانچہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں:

((رُفِعَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ إِلَى السَّمَاءِ فَلَمْ تُوجَدْ جُثَّتُهُ يَرَوْنَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ دَفَنَتْهُ)).①

"کہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش آسمان پر اُٹھائی گئی اور دفن کرنے والوں کو ان کا جسد خاکی نہ مل سکا، اور ان حضرات نے دیکھا کہ فرشتوں نے ان کی تدفین خود ہی کر دی۔"

ایک آواز جس نے دل کی دُنیا بدل دی

"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا"

یہ وہ آواز تھی جس نے آپ رضی اللہ عنہ کے قاتل جبار بن سلمی کے دل کی دُنیا بدل دی اور ان کی زندگی کی کایہ پلٹ کر رکھ دی اور یہی وہ جادوئی آواز تھی جس سے سحر زدہ ہو کر حضرت جبار بن سلمی مشرف با اسلام ہو گئے، خود حضرت جبار بن سلمی اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب میں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ((فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ)). "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔"
میں نے دل میں حیرت سے کہا یہ کیسی کامیابی ہے، پھر بعد کو میں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا ان کا مطلب جنت تھا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ نے مجھے مشرف با اسلام بنا دیا:

((وَدَعَانِي إِلَى ذَالِكَ مَا رَأَيْتُ مِنْ عَامِرِ بْنِ فُهَيْرَةَ)).②

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ عَامِرِ بْنِ فُهَيْرَةَ وَرَضِيَ عَنْهُ (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِمَّنِ اتَّبَعَهُمْ)

---

① الاستیعاب مع الاصابة ۳/۸، دیکھئے: اسد الغابة ۳/۱۳۴

② فتح الباری ۸/۱۴۶، دیکھئے: البدایة والنهایة ۵/۳۰۳، سیرۃ ابن هشام ۳/۲۰۷

تنبیہ

حضرت حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ "الاستیعاب" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے قتل کیا ہے:

((قَتَلَهُ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ)).[1]

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کی نسبت عامر بن طفیل کی طرف اس لئے کردی ہو کہ وہ مشرکین کے سردار تھے، اور کسی فوجی کے عمل کی نسبت قائد اور کمانڈر کی طرف کی جاسکتی ہے:

((كَانَ نِسْبَتُهُ لَهُ عَلَى سَبِيْلِ التَّجَوُّزِ لِكَوْنِهِ رَأْسَ الْقَوْمِ)).[2]

① الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۳۰۸

② فتح الباری ۸/۱۴۶

امام المسلمین سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

یثرب (مدینہ) کے قدیم عرب باشندے اوس وخزرج جو بعد کو انصار کہلائے دونوں باہم محارب اور دست وگریباں قبیلے تھے، اسلام نے انہیں شیر وشکر تو بنا دیا، لیکن وہ قدیم رقابت اور نخوت وفخر اب بھی باقی تھا گو کہ اب اس فخر نے اسلامی رنگ اپنا لیا تھا اور کل تک جہاں یہ جہالت وگمراہی کے میدان میں ایک دوسرے پر بازی مارنے کی کوشش کرتے اور فتنہ وفساد میں اپنی بڑائی پر فخر کرتے تھے، آج وہی اوس وخزرج نیکی وبھلائی کے میدان میں فوقیت اور فتح کی جنگ لڑنے لگے اور اپنے آپ کو ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ کی تفسیر بنانے میں جٹ گئے، خیر اس بحث کو یہیں چھوڑیئے کہ ان میں فخر اور بڑائی کی کون کون سی جنگ لڑی گئی، مجھے تو بس یہ بتلانا ہے کہ "خزرج" کو جن ہستیوں پر ناز تھا، اور جن لوگوں پر وہ فخر کرتے تھے اور انہیں ان پر فخر کرنے کا بجا طور پر حق تھا، ان میں کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار [1] کے لاڈلے اور جگر گوشہ صہیلہ بنت الاسود کے نورِ نظر [2] اور مسلمانوں کے امام ابو منذر ابی رضی اللہ عنہ کا نام سرِ فہرست ہے۔ [3]

قد وقامت:

سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے ہی مناسب قد وقامت کے مالک تھے، نہ زیادہ لمبے اور نہ ہی زیادہ ناٹے تھے، بلکہ متوسط قد وقامت کے حامل تھے۔ چنانچہ عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے:

((كَانَ أُبَيٌّ رَجُلًا دَحْدَاحًا، يَعْنِي رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ)). [4]

---

① الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۲۷، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۳

② اسد الغابۃ ۱/۱۹۶ ③ البدایۃ والنہایۃ ۷/۵۱ ④ سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۳

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ایک مناسب قدوقامت والے آدمی تھے، نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی زیادہ ناٹے تھے۔"

چہرہ مہرہ

آپ کا رنگ گورا سفید تھا،[1] اور سر مبارک اور داڑھی کے بال سفید تھے، لیکن سفیدی آپ کی وجاہت اور جوانی پر اثر انداز نہ ہو سکی تھی، بلکہ آپ سر اور داڑھی کے بالوں کے سفید ہونے کے باوجود نوجوان دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((وَ كَانَ أَبْيَضَ الرَّأْسِ وَ اللِّحْيَةِ لَا يُغَيِّرُ شَيْبَهُ)).[2]

"کہ آپ کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے، لیکن اس سفیدی نے آپ میں تبدیلی نہ پیدا کی تھی۔"

مزاج و مذاق

سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اللہ اور رسول کے معاملہ میں بڑے سخت تھے اور دین کے بارے ذرہ برابر بھی کمی و کوتاہی اور غلطی ان کے لئے قابل برداشت نہ تھی، ٹھیک حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح جہاں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی معاملہ دیکھتے ان کی غیرت ایمانی بھڑک اٹھتی، اور حمیت دینی فوراً ان کو مجبور کرتی اور آپ کا ہاتھ تلوار کے دستہ پر پہنچ جاتا، وہ حق کے لئے بلا خوف و خطر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے، چنانچہ علامہ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : إِنَّ فُلَانًا يَدْخُلُ عَلَى امْرَأَةِ أَبِيهِ فَقَالَ أُبَيٌّ: لَوْ أَنَا لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَ قَالَ: مَا أَغْيَرَكَ يَا أُبَيُّ! إِنِّي لَأَغْيَرُ مِنْكَ وَاللّٰهُ لَأَغْيَرُ مِنِّي)).[3]

"ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ فلاں آدمی اپنے باپ

---

① کنز العمال ۱۳/۲۱۱، رقم الحدیث ۳۶۷۶۵

② اسد الغابۃ ۱/۱۷۱، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۲/۲۴۳، البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۹۵

③ کنز العمال ۱۳/۲۶۳، رقم الحدیث: ۳۶۷۷۳

کی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) سے زنا کرتا ہے، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو اس کی گردن مار دیتا، اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے فرمایا اے ابی رضی اللہ عنہ! آپ کتنے غیرت مند ہیں لیکن میں تم سے اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔"

غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بے پناہ غیرت ایمانی اور حمیت دینی کے جواب میں "اِنِّیْ لَاَغْیَرُ مِنْكَ" اور "اَللّٰهُ لَاَغْیَرُ مِنِّیْ" اس لئے فرمایا کہ غیرت ایک اچھی چیز ہے، لیکن ہر مسئلہ کا حل قتال اور جنگ اور ہر درد کی دوا تلوار ہی نہیں ہے، بلکہ یہ مسائل نرمی اور محبت سے بھی حل کئے جا سکتے ہیں، مجھے دیکھو باوجودیکہ میں تم سے زیادہ غیور ہوں، لیکن پھر بھی رافت و نرمی کا دامن نہیں چھوڑتا ہوں۔

اور شاید ان کی غیور طبیعت ہی کبھی کبھی سخت گیر اور تند مزاج بنا دیتی تھی اور آپ کی سختی حد اعتدال سے آگے بڑھ جاتی، اور اپنے عزیزوں کو بسا اوقات سخت سست کہہ دیتے تھے، جیسا کہ حضرت زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا اور میں نے ان کو ذرا سخت مزاج پایا تو میں نے ان سے کہا:

((اِخْفِضْ لِیْ جَنَاحَكَ رَحِمَكَ اللّٰهُ)).

"کہ میرے ساتھ نرم روی اختیار فرمائیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے گا۔"

لیکن خیال ہوتا ہے کہ یہ سختی آپ کی اپنوں ہی کے ساتھ تھی، اور اپنے مصاحبین اور عزیزوں کے ساتھ یہ سخت رویہ غالباً اس لئے تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے رہے ہوں گے، پھر ان کی غلطیوں کی وجہ سے آپ ان سے برہم ہوا کرتے ہوں گے اور غصہ میں آکر کبھی سخت کلامی بھی کر لی ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ کوئی عیب اور کمی کی بات نہیں، بلکہ عام ضابطہ ہے کہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" اور اسی اصول کی وجہ سے آپ سخت ہو گئے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

عقبہ ثانیہ میں شرکت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانہ میں "دعوت الی اللہ" اور "تبلیغ دین" کی مہم پر روانہ ہوئے

اور عقبہ [1] کے پاس انصار کے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی، قرآن کریم پڑھ کر سنایا، اور اسلام پیش کیا، چونکہ یہ حضرات مدینہ میں اہل کتاب یہودیوں کے پڑوسی تھے اور ان کے کان ایک نبی کی آمد سے ناآشنا نہیں تھے۔ اس لئے فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مدینہ واپسی پر اپنے دوسرے بھائیوں سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی بعثت کا تذکرہ کیا، اور دیکھتے دیکھتے ہی پوری قوم اور پوری برادری کی زبان پر آپ ﷺ ہی کا نام آپ ﷺ ہی کا ذکر تھا، اور گلی گلی اسلام کا چرچا ہونے لگا، اور مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کی آواز اور آپ ﷺ کا پیغام پہنچ گیا:

((فَلَمْ يَبْقَ دَارٌ مِّنْ دُوْرِ الْأَنْصَارِ إِلَّا فِيْهَا ذِكْرٌ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ)). [2]

دوسرے سال حج کے موقع سے اوس وخزرج کے کل بارہ آدمی تشریف لائے، اور اسی عقبہ (گھاٹی) میں نبی ﷺ کے دست مبارک پر چوری، زنا، بچوں کے قتل نہ کرنے، توحید اور آپ کی اطاعت پر بیعت کی اور یہیں سے اہل مدینہ اور مدینہ کے تابناک مستقبل کی ابتداء ہوئی، جسے تاریخ میں عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا گیا۔ [3] اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے مدینہ والوں کی تربیت اور اصلاح کی غرض سے انہیں بارہ حضرات کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ [4] حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کوشش رنگ لائی اور اگلے سال عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضرات انصار کی ایک اور جماعت نے آکر نبی اقدس ﷺ سے بیعت کی ان نفوس قدسیہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

① عربی میں گھاٹی کو کہتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ سے ۴-۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر منیٰ کے پہاڑوں کے اس کنارے پر واقع ہے، جس کا رُخ مکہ مکرمہ کی طرف ہے، یہ ایک پہاڑی کے ایک حصہ میں ذرا پردہ کی جگہ تھی، اور اس کا جائے وقوع جمرہ کبریٰ کے پاس تھا۔ شاید اسی وجہ سے جمرہ کبریٰ کو جمرہ عقبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، بعد کو یہاں بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کر دی گئی۔

② سیرت ابن ھشام ۲/۴۸

③، ④ سیرت ابن ھشام ۲/۴٤

((كَانَ مِنْ اَصْحَابِ الْعَقَبَةِ الثَّانِيَةِ)).[1]

"کہ آپ رضی اللہ عنہ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔"

آپ کا علمی مقام اور مرتبہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنے علمی کمالات اور خصوصیات کی وجہ سے بڑا اعزاز و اکرام اور مرتبہ حاصل ہوا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان کا احترام و اکرام فرماتے تھے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات سے قرآن کریم سیکھنے اور علم قرأت حاصل کرنے کا حکم دیا ان میں بطور خاص آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو خود پایہ کے عالم اور فقیہ صحابی ہیں کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ : مِنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ ، فَبَدَأَبِهٖ وَ سَالِمٍ مَوْلَى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ)).[2]

"کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ کے غلام سالم اور معاذ بن جبل اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تمام علوم میں سب سے زیادہ مہارت اور شغف علم قرآن یعنی علم قرأت سے تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ پوری امت میں قرآن کریم کے سب سے بڑے عالم اور فن قرأت کے سب سے بڑے امام ہیں، اور یہ امامت کی سند اور سرٹیفکیٹ خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مرحمت فرمائی۔

چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[1] الاصابۃ ۱/۳۱، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۳، الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۲۸، فتح الباری ۷/۵۰۵

[2] بخاری باب مناقب ابی رقم الحدیث ۳۸۰۸، ۳۸۰۶، ترمذی ۵/۶۳۲، رقم الحدیث ۳۸۱۰، مسلم ۴/۱۹۱۳، رقم الحدیث ۲۴۶۴، باب من فضائل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

((وَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ)).[1]

"کہ ان میں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم میں) کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔"

غالباً آپ کے علمی تبحر اور گہرائی پر اعتماد ہی کی وجہ سے ایک دفعہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ذہول (بھول) ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب آپ نماز میں موجود تھے تو لقمہ دینا چاہیے، چنانچہ امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے:

((اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى صَلَاةً فَقَرَأَ فِيْهَا فَلُبِسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ لِاُبَيٍّ اَصَلَّيْتَ مَعَنَا، قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ)).[2]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی اور آپ کو تلاوت میں التباس ہو گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا تم نے میرے ساتھ ہی نماز پڑھی ہے؟ آپ نے کہا جی حضرت! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم نے لقمہ کیوں نہیں دیا۔"

یعنی تم پوری امت کے سب سے بڑے قاری اور سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتے ہو تو جب مجھ سے بھول ہوئی تو تمہیں بتانا چاہیے۔

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو قرآن سناتے ہیں!

سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے، اور آپ کے علمی تبحر اور گہرائی و گیرائی اور علم قرآن میں مہارت و کمال کی اس سے بڑی اور کون سی سند اور سرٹیفکیٹ (Cirtificate) ہو سکتا ہے کہ خود صاحب کلام اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (البینہ) ابی رضی اللہ عنہ

---

[1] ترمذی ٥/٦٢٣، رقم الحدیث ٣٧٩١، دیکھیے: نسائی باب المناقب، ابن ماجہ باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ ﷺ: رقم الحدیث ١٥٤۔

[2] ابوداؤد ١/١٣١، باب الفتح علی الامام فی الصلاۃ، سیر اعلام النبلاء ٣/٢٤٧

کو سنایئے۔ اور اس سے بڑی بات آپ کی فضیلت کے لئے کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملأ اعلیٰ اور عرشِ بریں پر آپ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ آپ کا تذکرہ کرتا ہے، چنانچہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِيْ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَبَكٰى)).[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ ... الخ﴾ پڑھوں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو پڑے۔"

یقیناً یہ بڑی فضیلت اور شرف کی بات تھی اس لئے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عرشِ بریں پر ان کا تذکرہ کیا اور حیرت و استعجاب میں پوچھ بیٹھے

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! ذُكِرْتُ هُنَالِكَ)) "کیا وہاں عرش پر میرا تذکرہ ہوا۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہاں ملاءِ اعلیٰ میں تمہارے نام اور نسب کے ساتھ تمہیں یاد کیا گیا:

((نَعَمْ بِاسْمِكَ وَنَسَبِكَ فِي الْمَلَاءِ الْأَعْلٰى)).[2]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے خوشی و مسرت کے آنسو چھلک پڑے یا خوفِ الٰہی کی وجہ سے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

((فَلِذٰلِكَ بَكٰى إِمَّا فَرَحًا وَإِمَّا خُشُوْعًا)).[3]

یقیناً یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی فضیلت ہے اور قرآن پر عبور اور کمال کی دلیل اور سند ہے۔ لیکن اس سے خدانخواستہ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ العیاذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

① مسلم ۱۹۱۵/٤، رقم الحدیث ۱۲۲، دیکھئے: بخاری رقم الحدیث ۳۸۰۹، باب مناقب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ترمذی ٦۲٤/٥، رقم ۳۷۹۲، کنز العمال ۲٦۳/۱۳، رقم ۳٦۷٦۸

② کنز العمال ۲٦۲/۱۲، رقم الحدیث ۳٦۷٦۸

③ فتح الباری ۵۰۵/۷

کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے اور ان کی شاگردی اختیار کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یا یہ حکم اس لئے ہوا تھا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ زیادہ علم رکھتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ آپ سے قرآن کریم اچھے ڈھنگ سے سیکھ لیں اور ان کے دل میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پوری طرح جاگزیں اور بیٹھ جائے، اور اس لئے بھی کہ قرآن کریم کا دور اُمت کے لئے سنّت ہو جائے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس حکم میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور حفظ قرآن میں ان کی فوقیت اور تقدم ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر امام ابوعبید سے نقل کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((اَلْمُرَادُ بِالْعَرْضِ عَلٰی اُبَیٍّ لِیَتَعَلَّمَ اُبَیٌّ مِنْهُ الْقِرَاْءَةَ وَ یُثَبِّتَ فِیْهَا وَ لِیَکُوْنَ عَرْضُ الْقُرْاٰنِ سُنَّةً، وَ لِلتَّنْبِیْهِ عَلٰی فَضِیْلَةِ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَ تَقَدُّمِهٖ فِیْ حِفْظِ الْقُرْاٰنِ)).[1]

غرض کہ ہرگز یہ بات ذہن میں نہ آئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھنے کا حکم تعلیم اور سیکھنے کی غرض سے ہوا تھا۔ چنانچہ مشہور محقق علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ اسی خطرناک بات پر تنبیہ اور نشاندہی کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((قَرَأَهَا عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قِرَاْءَةَ اِبْلَاغٍ وَ تَثْبِیْتٍ وَ اِنْذَارٍ وَ لَا قِرَاْءَةَ تَعَلُّمٍ وَ اِسْتِذْکَارٍ)).[2]

”کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے محض اس سورہ کو پڑھانے اور ان کے دل میں بٹھانے اور خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے پڑھا تھا، نہ کہ ان سے تعلیم حاصل کرنے اور یاد کرنے کے لئے پڑھا تھا۔“

غالباً یہ حکم اس لئے ہوا تھا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو اپنی قراءت کے علاوہ کسی اور قراءت پر قرآن پڑھتے ہوئے سنا، تو برداشت نہ کر سکے اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

① فتح الباری ۷/۵۰۵

② تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر ۴/۴۸۹، دیکھئے: البدایہ والنہایۃ ۵/۲۸۵

کی خدمت میں پکڑ لائے، نبی ﷺ نے دونوں ہی حضرات کی قراءت سننے کے بعد دونوں ہی قراءتوں کو درست قرار دیا، اور فرمایا کہ قرآن کریم سات حروف[1] پر نازل ہوا ہے، حضرت ابی کہتے ہیں کہ میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر نبی ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور میرے تمام تر شک و شبہ جاتا رہا، پھر آپ نے اس سورۃ کی تلاوت کر کے آپ کو سنائی تاکہ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹھ جائے۔[2]

اب خواہ آپ رضی اللہ عنہ کو پڑھ کر سنانے کا حکم خداوندی جس مقصد کے لئے ہو اتنی بات واضح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ و مقام اللہ اور رسول کی نظر میں بہت بڑا تھا تبھی تو آپ کے نام و نسب کے ساتھ یہ حکم ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

حفظ قرآن:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان مبارک اور خوش نصیب لوگوں میں ایک ہیں، جن کو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں قرآن کریم کے حفظ کا شرف حاصل ہوا۔ اور کیا خوب حسن اتفاق ہے کہ جن چار حضرات کو عہد رسالت میں ہی قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہے، وہ تمام ہی حضرات آپ رضی اللہ عنہ ہی کے قبیلہ یعنی انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ، مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ اَبُوْ زَيْدٍ[1] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)).[1]

"نبی ﷺ کے زمانے میں چار لوگوں نے قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا اور یہ تمام حضرات انصاری تھے اور وہ معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور

---

① سات حروف (یعنی حروف سبعہ) کے لئے ملاحظہ ہو پہلا باب حروف سبعہ کی بحث (عارفی)

② تفسیر ابن کثیر ٤/٤٨٩، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ٥/٢٩٥

1 ابوزید آپ کا نام عمر بن انس بن مالک تھا۔ (البدایہ والنہایہ ٧/٩٧)

① مسلم رقم الحدیث ٢٤٦٥، دیکھئے: بخاری رقم ٥٠٠٣، ترمذی رقم ٣٧٩٤

ابوزید (عمرو بن انس بن مالک) رضی اللہ عنہم ہیں۔"

ایک شبہ کا ازالہ:

لیکن اس روایت سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ ان چار صحابیوں کے علاوہ اور صحابی نہیں، جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں قرآن کریم کا حفظ کیا۔ کیونکہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہیں، اور جب آج دین سے دُوری اور قرآن کریم سے بے رغبتی کے باوجود ہر گاؤں اور ہر شہر میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں تو یہ پھر کیسے ممکن ہے کہ ایمان کی بادِ بہاری چل رہی ہو اور علم وعمل اور دین کے میدان میں مسابقہ ہو رہا ہو اور صحابہ میں صرف چار حافظ ہوں، مشہور ومعروف محقق اور محدث علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بڑی نفیس توجیہ علامہ مازری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کی ہے:

((اِنَّهٗ لَيْسَ فِيْهِ تَصْرِيْحٌ بِاَنَّ غَيْرَ الْاَرْبَعَةِ لَمْ يَجْمَعْهُ فَقَدْ يَكُوْنُ مُرَادُهٗ الَّذِيْنَ عَلِمَهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ اَرْبَعَةٌ)).[1]

"اس حدیث میں یہ صراحت کہاں ہے کہ ان چار حضرات کے علاوہ دوسروں نے قرآن کریم کا حفظ نہ کیا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ ان کے علم کے مطابق انصار میں سے انہیں چار حضرات نے حفظ کیا ہے۔"

غرض کہ یہ ناممکن سی بات ہے کہ صحابہ میں صرف چار حفاظ ہوں، کیونکہ ان حضرات کے علاوہ تقریباً پندرہ حفاظ صحابہ کا ذکر تو خود علامہ مازری نے کیا ہے[2] اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جنگ یمامہ میں ستر حفاظ اور قراء شہید ہوئے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف یہی چار حافظ قرآن تھے، جبکہ اس روایت میں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رقم فرماتے ہیں:

((وَثَبَتَ فِي الصَّحِيْحِ اَنَّهٗ قُتِلَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ سَبْعُوْنَ مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ وَ

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی ۱۹/۱۶، ط: مکتبہ غزالی دمشق

[2] مسلم مع شرح النووی ۱۹/۱۶

كَانَتِ الْيَمَامَةُ قَرِيبًا مِنْ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فَهٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا مِنْ جَامِعِيْهِ يَوْمَئِذٍ .... وَلَمْ يُذْكَرْ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَ عَلِيٌّ وَ نَحْوُهُمْ مِنْ كِبَارِ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ يَبْعُدُ كُلَّ الْبُعْدِ أَنَّهُمْ لَمْ يَجْمَعُوْهُ مَعَ كَثْرَةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَ حِرْصِهِمْ عَلٰى مَادُوْنَ ذٰلِكَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَ كَيْفَ نَظُنُّ بِهِمْ)).[1]

روایات:

غالباً قرآن کریم سے بے پناہ رغبت اور دلچسپی اور علم قرآن میں اپنے کو مشغول رکھنے اور اپنے کو ڈبو دینے کی وجہ سے نبی اقدس ﷺ کی صحبت میں دن رات چمٹے رہنے کے باوجود آپ کی مرویات کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، تاہم آپ رضی اللہ عنہ کا شمار مقسطین[2] صحابہ میں ہوتا ہے، یا ممکن ہے کہ آپ نے بھی دیگر صحابہ کی طرح

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)).

کی وعید کی وجہ سے کثرت روایت سے اجتناب کیا ہو کہ مبادا روایت حدیث میں کوئی غلطی نہ ہو جائے، اور میری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے، حضرت بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو چونسٹھ روایتیں آپ سے نقل کی ہیں، جن میں بعض روایتیں تو متفق علیہ ہیں، اور تین روایتیں ایسی ہیں جس کو صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، جبکہ سات روایتیں ایسی ہیں جس کی تخریج صرف امام مسلم نے کی ہے۔[3] مسلم و بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کتابوں میں تقریباً سات روایتیں آپ سے مروی ہیں۔[4]

آپ کے فتاوے:

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنے علم و فقہ کی وجہ سے ممتاز اور بلند مقام رکھتے تھے، اور اپنی علمی شان اور تبحر علمی کی وجہ سے یکتا تھے۔ مفتیان صحابہ رضی اللہ عنہم کی

---

① مسلم بشرح النووی ۱۶/۱۹
② مقسطین ان صحابہ کو کہتے ہیں جن سے ہزار سے کم لیکن سو یا اس سے زیادہ روایتیں مروی ہیں۔
③، ④ سیر اعلام النبلاء ۲۵۱/۱

انتہائی مختصر اور چھوٹی سی چھ مفتیان کرام کی فہرست میں ایک آپ رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((عَدَّهُ مَسْرُوقٌ فِي السِّتَّةِ مِنْ أَصْحَابِ الْفُتْيَا)).[1]

"حضرت مسروق نے آپ کو چھ اصحاب فتویٰ میں شمار کیا ہے۔"

لیکن اپنی تمام علمی شان و مرتبہ اور تبحر فقہی کے باوجود آپ کے فتویٰ کی تعداد صرف دو یا تین ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

((وَ فِي الصَّحَابَةِ نَحْوُ مِائَةٍ وَ عِشْرِيْنَ مَقْلُوْنٌ فِي الْفُتْيَا جِدًّا لَا تُرْوَى عَنِ الْوَاحِدِ مِنْهُمْ إِلَّا الْمَسْئَلَةُ وَالْمَسْئَلَتَانِ وَالثَّلَاثُ كَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَ أَبِي طَلْحَةَ وَالْمِقْدَادِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَ يُمْكِنُ أَنْ يُجْمَعَ مِنْ فُتْيَا جَمِيْعِهِمْ بَعْدَ الْبَحْثِ جُزْءٌ صَغِيْرٌ)).[2]

"حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقریباً ایک سو بیس ایسے حضرات ہیں جن کے فتووں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور ان میں سے ہر ایک صحابی کے ایک دو یا تین فتوے منقول ہیں، جیسے حضرت ابی بن کعب، حضرت ابودرداء، حضرت ابوطلحہ اور مقداد رضی اللہ عنہم، تلاش و جستجو کے بعد ان تمام حضرات کے فتاوے ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں جمع کیے جا سکتے ہیں۔"

فخر قوم

یوں تو ہر دن ہر روز ہر گاؤں ہر شہر میں کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہر خاندان ہر قبیلہ میں کوئی نہ کوئی جنم لیتا ہے، لیکن ایسے کم ہی لوگ ہوتے ہیں، جن پر ان کے خاندان اور ان کی قوم کو فخر ہو اور وہ ان پر ناز کرے۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ان ہی نابغہ روزگار اور عظیم لوگوں میں ایک ہیں، جن پر ان کے قبیلہ خزرج کو ناز تھا، اور آپ کا نام آتے ہی خزرج والے اپنا سر اُونچا کر لیتے، اور وہ "اوس" پر اپنی بڑائی اور بلندی جتلانے کے لئے کہا

---

① الاصابة فی تمییز الصحابة ۱/۳۲، نیز دیکھئے: ۱/۵٤٤

② فتح المغیث للسخاوی ۲/۱۰۷، دیکھئے: اسد الغابة ۸۸۱

کرتے تھے، اور انہیں بجا طور پر یہ کہنے کا حق تھا:

((مِنَّا اَرْبَعَةٌ : جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اُبَیٌّ، زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ، مُعَاذٌ، وَ اَبُوْ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ)).[1]

یقیناً وہ چار یگانہ و یکتا ہستیاں جن پر خزرج کو فخر اور ناز تھا، صرف خزرج ہی کیا پوری امت ان پر ناز اور فخر کرے تو بجا ہے اور انہیں حق ہے، کیونکہ کیا آسمان دُنیا نے اُمت محمدیہ کے علاوہ دوسری اُمتوں میں ایسے نفوس قدسیہ کو دیکھا ہے؟ اور بتاؤ تو کب کس قوم، کس قبیلہ، کس ملک اور کس سرزمین نے ایسے ملکوتی صفت اور فرشتہ خصلت انسان پیدا کیے ہیں؟ رضوان اللہ علیہم اجمعین

تمہیں علم وفن مبارک ہو

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ آخر وہ قبیلہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے آپ پر اور آپ کے علم وفن پر کیوں نازاں وفرحاں نہ ہو اور آپ کی قوم آپ پر کیوں نہ فخر کرے جب کہ خود وہ ذات مبارک جس کو پہلوں ہی کی طرح پچھلوں کا بھی علم دیا گیا۔ اور اس کے ذکر اور چرچا کو بلند و بالا کیا گیا[2] اسی نبی برحق ﷺ نے آپ کی کثرت معلومات اور کمال علم کو دیکھ کر آپ کو علم وفن پر مبارک دی کہ

((لِیَهْنِئْكَ الْعِلْمُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ)).[3]

"اے ابومنذر (حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی کنیت) آپ کو علم مبارک ہو۔"

نبی کریم ﷺ کی اس واضح ترین شہادت اور سند کے بعد بھی کیا کوئی شک کرسکتا ہے آپ کے کمال علم وفن، بلندی مرتبہ اور علو شان پر۔ چنانچہ مشہور شافعی امام حضرت نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں رقم فرماتے ہیں:

---

① البدایة والنهایة ۵۱/۷

② اشارہ ہے آیت کریمہ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝﴾ (الم نشرح: ۴)

③ مسلم ۲۷۱/۱، باب فضل سورة الکهف وآیة الکرسی، دیکھیے: ابوداؤد، باب ماجاء فی آیة الکرسی رقم الحدیث: ۱۴۶۰، سیر اعلام النبلاء ۲۴۴/۳

((فِيْهِ مَنْقَبَةٌ عَظِيْمَةٌ لِأُبَيٍّ وَ دَلِيْلٌ عَلٰى كَثْرَةِ عِلْمِهٖ)).①

"اس حدیث میں حضرت ابی کی بہت بڑی فضیلت ہے اور یہ حدیث آپ کے کثرت علم پر دلیل ہے۔"

آپ کے تلامذہ:

کیا ممکن ہے کہ جس ذات کو خود نبی ﷺ نے ان کے علم پر مبارک باد دی اور انہیں خدا کی کتاب کی کتابت اور تحریر کے لئے منتخب فرمایا، اور سب سے بڑھ کر انہیں کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری اور عالم ہونے کی سند عطا فرمائی، ان سے حضرات صحابہ اور دیگر اہل علم استفادہ نہ کرتے، ان سے شرف تلمذ اور شاگردی حاصل نہ کرتے، اور ان سے کسب فیض میں کوتاہی کرتے، چنانچہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد نے آپ سے کسب فیض کیا، جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں) بھی شامل ہیں، انہوں نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت ابوایوب انصاری، سلمان بن صرد اور سہل بن سعد جیسے کبار اہل علم نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((رَوٰى عَنْهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَ اَبُوْ اَيُّوْبَ، وَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ، وَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَ اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ، وَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ، وَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ)).②

جب کہ حضرات تابعین میں بھی آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جن میں سے آپ کے صاحبزادے محمد، طفیل اور عبداللہ کے علاوہ ابوالعالیہ، ابوادریس خولانی، عبدالرحمن بن حارث اور عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمہم اللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔③

---

① الکامل علی المسلم ۲۷۱/۱
② تھذیب التھذیب ۱۲۱/۱
③ سیر اعلام النبلاء ۲۴۳/۳،

کتابتِ وحی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارہ اس وقت چمک اٹھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم نے قرآن کریم کی کتابت اور وحی الٰہی کو ضبطِ قلم کرنے کے لئے مدینہ آتے ہی اپنے جانثاروں میں سے آپ کو منتخب فرمایا۔ اور آپ کو یہ اعزاز و اکرام اور شرف حاصل ہوا کہ انصار میں سب سے پہلے اللہ کی کتاب کی کتابت فرمائی۔ چنانچہ امام ابن ابی خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((هُوَ اَوَّلُ مَنْ كَتَبَ الْوَحْيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)).[1]

"کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے پہلے وحی کی کتابت فرمائی۔"

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (جنہیں کاتبینِ وحی) میں سب سے زیادہ کتابت وحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھنے کا موقع ملا۔ ان سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ "کتابتِ وحی" کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

((وَ كَانَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ مِمَّنْ كَتَبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْوَحْيَ قَبْلَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ وَ مَعَهُ اَيْضًا وَ كَانَ زَيْدُ اَلْزَمَ الصَّحَابَةِ لِكِتَابَةِ الْوَحْيِ وَ كَانَ يَكْتُبُ كَثِيْرًا مِنَ الرَّسَائِلِ)).[2]

اور علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ کی عدم موجودگی اور غیاب ہی میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے:

((وَاِذَا لَمْ يَحْضُرْ اُبَيٌّ كَتَبَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ)).[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکریٹری کے فرائض

ابھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو علم و ہنر اور فقہ و فن کے خزانہ سے وافر مقدار میں دولت عطا کی تھی۔ اور خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ

---

① البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۹۶، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۲۹۱، اسد الغابۃ ۱/۱۷۰

② الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۲۹۱، اسد الغابۃ ۱/۱۷۰، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۹۶

③ اسد الغابۃ ۱/۱۷۰، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۲۹

کے علمی کمالات پر مبارک دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی انہیں خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا پرسنل سیکریٹری نامزد فرمایا۔ جو ایک قابل فخر اعزاز ہے، جس میں چند صحابہ ہی آپ رضی اللہ عنہ کے شریک و سہیم ہیں۔ غرض آپ نے قرآن کریم کی کتابت کے علاوہ خطوط نویسی بھی فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف خطوط اور نامہ مبارک لکھنے کا شرف آپ کے پاکیزہ قلم کو حاصل ہوا، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَ کَانَ اُبَیٌّ وَ زَیْدٌ یَکْتُبَانِ الْوَحیَ بَیْنَ یَدَیِ ﷺ وَ یَکْتُبَانِ کُتُبَہٗ اِلَی النَّاسِ)).[1]

"کہ حضرت ابی اور زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی لکھتے تھے، اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خطوط لکھا کرتے تھے۔"

خطوط نویسی میں ایک نئے طریقہ کی ایجاد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرسنل سیکریٹری اور کاتب خاص حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خطوط نویسی کے میدان میں ایک نئے طریقہ کی طرح ڈالی، اور آپ ہی نے سب سے پہلے خط کے آخر میں "راقم" یعنی خط لکھنے والے کا نام لکھنے کا رواج ڈالا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((هُوَ اَوَّلُ مَنْ کَتَبَ فِیْ آخِرِ الْکِتَابِ، وَ کَتَبَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ)).

"حضرت ابی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خط کے آخر میں یہ لکھا کہ اس خط کو فلاں بن فلاں نے لکھا ہے۔"

آپ کا ایجاد کردہ طریقہ آج بھی رائج ہے، اور آج بھی لوگ اسے اپنائے ہوئے ہیں۔

اُمت کی فکر:

ہمارے سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو علم کی طرح عبادت سے بھی بڑا شغف اور لگاؤ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت میں بھی مقام بلند رکھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ بڑے عبادت گزار تھے، لیکن جب امت کو آپ کی ضرورت محسوس ہوئی اور مسلمان اپنے

[1] الاستیعاب ۳۰/۱، دیکھئے: اسد الغابۃ ۱۷۲/۱

معاملات میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے تو آپ نے اپنی عبادت کم کردی اور لوگوں کے مسائل کے حل کے لئے اپنا قیمتی وقت فارغ کرلیا۔ اور ان کے مسائل کے سلجھانے میں لگ گئے۔[1] چنانچہ حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں:

((كَانَ أُبَيٌّ صَاحِبُ عِبَادَةٍ، فَلَمَّا احْتَاجَ النَّاسُ إِلَيْهِ تَرَكَ الْعِبَادَةَ وَ جَلَسَ لِلْقَوْمِ)).[2]

"حضرت ابی رضی اللہ عنہ عبادت گزار تھے، لیکن جب لوگوں کو ان کی ضرورت پڑی تو عبادت چھوڑ (کم کر) دی اور قوم کے لئے خود کو فارغ کرلیا۔"

قضاء کی ذمہ داری

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن حضرات کے حصے میں قضاء کا منصب جلیل آیا ان کی تعداد صرف چھ ہے، لیکن اسی مختصر سی فہرست میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نام اپنے علم و فضل اور تبحر و تفقہ کی وجہ سے شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مسروق فرماتے ہیں:

((كَانَ أَصْحَابُ الْقَضَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ سِتَّةً : عُمَرُ وَ عَلِيٌّ وَ عَبْدُاللهِ وَ أُبَيٌّ وَ زَيْدٌ وَ أَبُو مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ)).

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں قضات چھ تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ، حضرت ابی، حضرت زید اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم۔"

اب بہادری کے کچھ تذکرے

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہر میدان میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں، خواہ وہ علم و فن اور فقہ فتاویٰ کا میدان ہو یا معرکہ تیر و تفنگ اور میدان کارزار ہو، ہر میدان میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے جوہر دکھائے اور زندہ اور تابندہ نقوش چھوڑے تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اس روایت میں ایک راوی اصرم بن حوشب ہیں، جو قابل اعتبار نہیں، کیونکہ حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کذاب خبیث یعنی جھوٹا خبیث کہا ہے، جبکہ امام بخاری، مسلم، نسائی رحمہم اللہ نے انہیں متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔ دیکھیے میزان الاعتدال للذہبی رقم ۱۰۱۷۔ اس لئے یہ روایت درست نہیں۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۳۹۹/۱، دیکھیے کنز العمال ۲٦٤/۱۳، رقم: ۳٦۷۷۸

کے ہمرکاب رہے، اور عہدِ رسالت میں کفر و اسلام کے درمیان ہونے والی تمام جنگوں میں آپ نے اپنی بہادری و جوانمردی کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((شَهِدَ بَدْرًا وَالْمَشَاهِدَ كُلَّهَا)).[1]

"کہ آپ نے بدر اور تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی دعا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا سینہ جذبہ جہاد سے معمور اور دل شوق شہادت سے لبریز تھا، غالباً یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو معلوم پڑا کہ بیماریوں کے عوض اللہ رب کریم گناہوں کو بخشش دیتا ہے، تو آپ نے ایک انوکھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے دائمی اور ہمیشہ رہنے والے بخار کی دعا مانگی۔ لیکن اس موقع پر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے بطور خاص اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ! یہ بخار مجھے جہاد سے نہ روکے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ! أَرَأَيْتَ هٰذِهِ الْأَمْرَاضَ الَّتِيْ تُصِيْبُنَا مَالَنَا فِيْهَا: قَالَ: كَفَّارَاتٌ فَقَالَ أُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ إِنْ قَلَّتْ؟ قَالَ: إِنْ شَوْكَةً فَمَا فَوْقَهَا، فَدَعَا أُبَيٌّ أَنْ لَّا يُفَارِقَهُ الْوَعْكُ حَتّٰى يَمُوْتَ وَأَنْ لَّا يَشْغَلَهُ مِنْ حَجٍّ وَلَا عُمْرَةٍ وَلَا جِهَادٍ، وَلَا صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فِيْ جَمَاعَةٍ، فَمَا مَسَّ الْإِنْسَانُ جَسَدَهُ إِلَّا وَجَدَ حَرَّهُ حَتّٰى مَاتَ)).[2]

"کہ ایک مسلمان آدمی نے نبی ﷺ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں جو بیماریاں ہوتی ہیں اس میں ہمیں کیا اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیماریاں گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگرچہ بیماریاں چھوٹی ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگرچہ ایک کانٹا چبھ

---

① اسد الغابۃ ۱/۱۷، دیکھیے: تہذیب التہذیب ۱/۱۲۲

② دار قطنی بحوالہ، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۱/۳۲، دیکھیے: کنز العمال ۱۲/۲۶۳، رقم الحدیث ۳۶۷۷۰، سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۵

جائے، تو حضرت ابی نے اللہ سے دعا کی کہ انہیں زندگی بھر ایسا بخار رہے جو انہیں، حج، عمرہ، جماعت کے ساتھ فرض نماز، اور جہاد سے نہ روکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب بھی کوئی آدمی انہیں چھوتا تو بخار کی حرارت محسوس ہوتی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔"

غرض کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جب گناہوں کی بخشش اور مغفرت کی لالچ میں دائمی بخار کی انوکھی مانگی، اس وقت بھی آپ "جہاد" کو نہ بھولے اور اپنے رب سے خواہش کی کہ بخار تو دے دیجئے لیکن

((لَا تَمْنَعُنِيْ خُرُوْجًا فِيْ سَبِيْلِكَ)).[1]

"وہ بخار مجھے آپ کی راہ میں جہاد سے نہ روکے۔"

تبرکات نبوی سے محبت

کہتے ہیں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز محبوب اور پیاری ہوتی ہے اور اس اس کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز سے دلی لگاؤ اور قلبی انسیت ہو جاتی ہے، پھر اگر تبرک اس ذات گرامی کا ہو جو کہ محبوب رب العالمین ہے، جس کی محبت جز وایمان ہے اور جس کا پیار اللہ کا پیار ہے، بھلا بتائیے کہ اس ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات و آثار کون سنبھال کر نہیں رکھے گا؟ اور پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ جس نے عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تپ کر اپنی زندگی گزاری ہو اسے اگر کوئی چیز مل جائے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت رہی ہو تو وہ کیوں نہ اس کو سنبھال کر رکھے۔ واقعہ یوں ہے کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سیڑیوں والے منبر بننے سے پہلے ایک لکڑی کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، لیکن جب منبر تیار ہوگیا تو آپ نے اس ستون کو چھوڑ دیا اور لکڑی کے منبر پر خطبہ دینے لگے، یہ ستون اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لکڑی کے رونے کی آواز سنی تو اس پر ہاتھ پھیر دیا اور لکڑی خاموش ہوگئی، اور اس کی تسلی ہوگئی،

[1] کنز العمال ۱۳/۲۶۳، رقم الحدیث ۳۶۷۷

بعد کو جب مسجد نبوی تعمیر نو کے لئے منہدم کی گئی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس ستون کو اپنے پاس محفوظ کرلیا، پھر بعد کو یہ لکڑی سڑ گئی۔"

وَ کَانَ عِنْدَہٗ حَتّٰی بَلِیَ وَ اَکَلَتْہُ الْاَرْضَۃُ وَ عَادَ رُفَاتًا))۔ [1]

"وہ لکڑی حضرت ابی کے پاس رہی پھر اسے دیمک نے چاٹ کر کھالیا اور لکڑی سڑ کر ختم ہوگئی۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بہت ہی احترام واکرام اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے پناہ تعظیم وتکریم کا معاملہ کرتے تھے۔ آپ کے علمی مقام ومرتبہ کے نہ صرف معترف اور قائل تھے بلکہ آپ کے علمی کمالات اور علم قرآن پر آپ کے عبور کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ مقام جابیہ پر آپ نے اپنے تاریخی خطبہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے علم قرآن پر دسترس اور مہارت کا برسر عام اعتراف اور اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْاَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْیَأْتِ اُبَیًّا ابْنَ کَعْبٍ))۔ [2]

"کہ جسے قرآن کے متعلق پوچھنا ہو، وہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔"

اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے تبحر علمی اور علو شان کی وجہ سے آپ کو "سید المسلمین" کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ [3] چنانچہ حضرت ابونضرہ کا بیان ہے:

((رَجُلٌ مِنَّا یُقَالُ لَہٗ جَابِرٌ اَوْ جُوَیْبِرٌ قَالَ: اَتَیْتُ عُمَرَ وَ قَدْ اُعْطِیْتُ مَنْطِقًا فَاَخَذْتُ فِی الدُّنْیَا، فَصَغَّرْتُھَا فَتَرَکْتُھَا لَا تُسَوِّیْ شَیْئًا، وَاِلٰی جَنْبِہٖ رَجُلٌ اَبْیَضُ الرَّاْسِ وَاللِّحْیَۃِ وَالثِّیَابِ، فَقَالَ: کُلُّ قَوْلِکَ مُقَارِبٌ اِلَّا وُقُوْعَھَا فِی الدُّنْیَا، ھَلْ تَدْرِیْ مَا الدُّنْیَا فِیْھَا بَلَاغُنَا اَوْ قَالَ زَادُنَا، اِلَی الْاٰخِرَۃِ، وَ فِیْھَا اَعْمَالُنَا الَّتِیْ نُجْزٰی بِھَا قُلْتُ مَنْ ھٰذَا

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۱۳۱/۶ [2] سیر اعلام النبلاء ۲۴۶/۳

[3] اسد الغابۃ ۱۶۹/۱

یَاأَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! قَالَ: هٰذَا سَیِّدُ الْمُسْلِمِیْنَ أُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ)).[1]

"ہمارے درمیان ایک آدمی جابر یا جویبر کے نام سے جانے جاتے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے گفتگو شروع کی اور دُنیا کو آڑے ہاتھ لیا، اور میں نے دُنیا کو تمام چیزوں سے کمتر اور حقیر بتلایا وہاں حضرت ہی کے بازو میں ایک سفید پوش سفید بالوں اور سفید داڑھی والے آدمی تشریف فرما تھے، میری گفتگو سن کر انہوں نے فرمایا: کہ تمہاری باتیں صحیح ہیں لیکن اس طرح تمہارا دُنیا کو آڑے ہاتھ لینا درست نہیں، تمہیں معلوم ہے کہ دُنیا کیا ہے؟ سنو! دُنیا ہی ہمارے لئے آخرت کی امتحان گاہ ہے اور دُنیا دار العمل ہے، جس کا بدلہ ہمیں آخرت میں ملے گا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا امیر المؤمنین یہ کون صاحب ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مسلمانوں کے سردار (سید المسلمین) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔"

قرآن پر مہارت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہ صرف حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کے معترف تھے بلکہ آپ نے اس اعتراف میں انہیں علم قرآن کی اپنے علم کے مطابق اشاعت و ترویج اور تعلیم کی کھلی اجازت دے رکھی تھی۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ادریس خولانی کی روایت خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

أَنْتَ رَجُلٌ عِنْدَكَ عِلْمٌ وَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَعَلِّمْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ رَسُوْلُهٗ)).[2]

"کہ آپ علم قرآن کے ماہر آدمی ہیں، تو آپ پڑھئے اور جیسے اللہ اور اللہ کے

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۶۰

[2] نسائی بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۴/۱۷۵، تفسیر سورۂ فتح آیت ۲۷، دیکھئے: الدر المنثور للسیوطی ۶/۷۹، سیر اعلام النبلاء ۴/۲۴۸، کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۶۷۷

رسول ﷺ نے تعلیم دی ہے ویسے ہی آپ بھی دوسروں کو تعلیم دیجئے۔"

بادل برسا اور آپ نہ بھیگے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں سے کہا:

((أُخْرُجُوا مِنَّا إِلَى أَرْضِ قَوْمِنَا، فَخَرَجْنَا فَكُنْتُ أَنَا وَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فِيْ مُؤَخَّرِ النَّاسِ، فَهَاجَتْ سَحَابَةٌ، فَقَالَ أُبَيٌّ: اَللّٰهُمَّ اصْرِفْ عَنَّا أَذَاهَا: فَلَحِقْنَاهُمْ وَ قَدْ اِبْتَلَّتْ رِحَالُهُمْ فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا أَصَابَكُمُ الَّذِيْ أَصَابَنَا؟ قُلْتُ: إِنَّ أَبَا مُنْذِرٍ دَعَا اللّٰهَ أَنْ يَصْرِفَ عَنَّا أَذَاهَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا دَعَوْتُمْ لَنَا مَعَكَ)).[1]

"کہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کی سرزمین (غالباً مکہ) کا سفر کرو، چنانچہ ہم لوگ سفر پر نکلے تو میں (ابن عباس) اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قافلہ میں سب سے پیچھے تھے کہ بادل برسنے لگا۔ اس وقت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! اس بادل کی تکلیف سے ہمیں محفوظ رکھئے، پھر ہم دونوں قافلہ سے ملے اور ان کے کجاوے (سامانِ سفر) بھیگ گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا وہاں بارش نہیں ہوئی، جبکہ یہاں تو بارش ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ بارش ہوئی، لیکن ابومنذر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! ہمیں بارش کی تکلیف سے بچالے، اس لئے ہم نہیں بھیگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے لئے بھی کیوں دعا نہیں کی، ہم بھی بھیگنے سے بچ جاتے۔"

تراویح کا باضابطہ آغاز اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی امامت؟

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح کی نماز کسی امام کی اقتداء میں نہ ہوئی، بلکہ رمضان المبارک میں لوگ اکیلے اکیلے یا ایک دو آدمیوں کی

---

[1] کتاب مجاب الدعواۃ لابن ابی الدنیا، بحوالہ کنز العمال ۱۳/۲۶۴، رقم الحدیث ۳۶۷۷۴، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، ۳/۲۴۹

جماعت میں تراویح پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ عَلَى ذَالِكَ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَالِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَ صَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا)).[1]

"کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور لوگ اکیلے اکیلے ہی تراویح کی نماز پڑھتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام بھی یہی حالت رہی۔"

بعد کو ۱۴ر ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح پڑھنے والوں کی مختلف ٹولیوں اور جماعتوں کو متحد کر کے ایک جماعت بنائی، اور باجماعت نماز تراویح کا آغاز فرمایا تو ان تمام لوگوں کی امامت کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امامت کے سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور آپ کو تراویح کا امام متعین فرمایا:

((ثُمَّ عَزَمَ وَ جَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)).[2]

وفات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ خلافت میں ۱۹ھ میں علم وفن، فقہ و فتاویٰ اور قرأت کا یہ روشن سورج اپنی کرنیں بکھیرنے کے بعد غروب ہو گیا۔[3]

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

بعض مؤرخوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کی تاریخ ۲۳ اور بعض نے ۳۲ ہجری ذکر کی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔[4]

---

[1] بخاری مع فتح الباری ۴/۷۷۸، رقم الحدیث ۲۰۰۹، باب فضل من قام رمضان، دیکھئے: ترمذی ۳/۱۷۳، رقم الحدیث ۸۰۸۔

[2] بخاری رقم الحدیث ۲۰۱۰، باب فضل من قام رمضان، دیکھئے: فتح الباری ۴/۷۸۰، معارف السنن ۵/۵۴۳، ط: دیوبند، المغنی لابن قدامہ ۱/۸۰۳، البدایۃ والنہایۃ ۷/۴۸۔

[3] تہذیب التہذیب ۱/۱۲۱، دیکھئے: اسد الغابۃ ۱/۱۷۱، الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۳۰

[4] البدایۃ والنہایۃ ۷/۹۹

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مدینہ میں سوگ

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنتے ہی پورا مدینہ سوگوار ہو گیا، اور بچہ بچہ رنج وغم کے سمندر میں ڈوب گیا، دیکھنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے حضرت عتی بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدینہ کے لوگوں کی کیفیت اور حالت نقل کی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں دیکھی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

((رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَمُوجُونَ فِي سِكَكِهِمْ فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ هٰؤُلَاءِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَا أَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ؟ قُلْتُ: لَا قَالَ: إِنَّهُ قَدْ مَاتَ الْيَوْمَ سَيِّدُ الْمُسْلِمِينَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)).[1]

"میں نے مدینہ والوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی گلیوں میں بھیڑ لگائے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا کیا ماجرا ہے، کیوں اتنی بھیڑ ہے؟ تو ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس شہر میں نئے ہیں، میں نے کہا ہاں نیا ہوں، یہاں کا نہیں ہوں، تو انہوں نے بتلایا آج سید المسلمین ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی ہے۔"

غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سے اہل مدینہ غم کے سمندر میں ڈوب گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب کے سب یتیم ہو گئے ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت

حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے وصیت اور نصیحت کی فرمائش کی تو سید المسلمین امام القراء نے فرمایا:

((اتَّخِذْ كِتَابَ اللّٰهِ إِمَامًا، وَارْضَ بِهِ قَاضِيًا وَحَكَمًا، فَإِنَّهُ الَّذِي اسْتَخْلَفَ فِيكُمْ رَسُولُكُمْ، شَفِيعٌ، مُطَاعٌ وَمُشَاهِدٌ لَا يُتَّهَمُ، فِيهِ ذِكْرُكُمْ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، وَخَبَرُكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ)).[2]

---

① سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۸

② حلیۃ الاولیاء، ۳/۲۵۳، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۵

"اللہ کی کتاب کو رہنما بنالو اور اس کتاب سے بحیثیت قاضی اور فیصل کے راضی ہو جاؤ، کیوں کہ یہ وہی کتاب ہے جس کو تمہارے رسول تمہارے لئے چھوڑ گئے ہیں، کتاب اللہ کے حضور سفارش کرنے والی ہے، قابل اتباع اور ایسی شاہد ہے جس پر کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی ہے، اس کتاب میں تمہارا بھی تذکرہ ہے اور تم سے پہلوں کا بھی چرچا ہے اور اس کی حیثیت تمہارے درمیان فیصل کی ہے، اور اس کتاب میں تمہاری بھی خبر ہے اور تمہارے بعد آنے والوں کی بھی اطلاع ہے۔"

ذرا غور کریں اگر امت مسلمہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائے تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ پھر اس امت کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ دُنیا کی امامت و قیادت اور سیادت سپرد نہ کر دے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

نام ونسب

مشہور صحابی اور خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی خالہ محترمہ حضرت ام حرام بنت ملحان سے روایت کرتے ہیں:

((قَالَتْ: نَامَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمًا قَرِیْبًا ثُمَّ اسْتَیْقَظَ فَتَبَسَّمَ ، فَقُلْتُ: مَا اَضْحَکَ؟ قَالَ: اُنَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ عُرِضُوْا عَلَیَّ یَرْکَبُوْنَ ھٰذَا الْبَحْرَ الْاَخْضَرَ کَالْمُلُوْکِ عَلَی الْاَسِرَّۃِ، قَالَتْ: فَادْعُ اللّٰہَ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ فَدَعَالَھَا: ثُمَّ نَامَ الثَّانِیَۃَ فَفَعَلَ مِثْلَھَا فَقَالَتْ: مِثْلَ قَوْلِھَا فَاَجَابَھَا مِثْلَھَا، فَقَالَتْ: اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یَجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ، فَقَالَ: اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ، فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِھَا عُبَادَۃَ بْنِ صَامِتٍ غَازِیًا اَوَّلَ مَارَکِبَ الْمُسْلِمُوْنَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِیَۃَ)). ①

”کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس ہی سو گئے، پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، تو میں نے پوچھا حضرت کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے خواب میں یہ دکھایا گیا کہ میری امت کے کچھ لوگ اس ہرے سمندر میں اس شان سے چل رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، ام حرام نے عرض کیا کہ اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ میں بھی انہیں میں ہو جاؤں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی، پھر دوبارہ آپ سو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، پھر ام حرام نے سبب دریافت کیا اور

① بخاری ۹۲/۱ ، رقم الحدیث ۳۹۱۳۔ باب فضل من یصرع فی سبیل اللّٰہ ، رقم الحدیث: ۲۸۹۹ ، نیز دیکھئے: رقم الحدیث ۲۸۹۵ ، باب رکوب البحر

آپ نے وہی جواب دیا، پھر ام حرام نے دعا کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہوگی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چنانچہ حضرت ام حرام اپنے شوہر حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئیں اور سب سے پہلے مسلمانوں نے بحری جنگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت (خلافت عثمانی) لڑی۔"[1]

نبی اکرم ﷺ کی پیشینگوئی پوری ہوئی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد عثمانی میں سب سے پہلے بحری جنگ کی، ان بحری فوجیوں کے کمانڈر اعلیٰ اور سپریم کمانڈر (Supream Comander) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، تو ایک حصہ کی قیادت کا شرف حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن حذافہ بن مالک بن حل بن عامر بن الفہری القرشی کو بھی حاصل ہوا۔[2] حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دودھ شریک بھائی ابو یحییٰ عبداللہ بن سعد کی والدہ کا نام مہابہ بنت جابر تھا۔[3] لیکن بعض حضرات نے ان کی والدہ کا نام اشعریہ ذکر کیا ہے۔[4]

اخلاق وعادات

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے ہی زیرک دانا اور عقل مندوں میں ہوتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور دیالو طبیعت کے آدمی تھے، آپ کی فطرت ہی میں سخاوت اور فیاضی تھی، چنانچہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

((كَانَ أَحَدُ عُقَلَاءِ الرِّجَالِ وَأَجْوَدِهِمْ)).[5]

"کہ آپ اہل دانش اور فیاضوں میں سے ایک تھے۔"

کتابتِ وحی

غالباً آپ کے عقل ودانش اور دانائی وزیرکی ہی کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے

---

① اس واقعہ کی مزید تفصیل آیا چاہتی ہے۔
② الاصابة في تمييز الصحابة ۲/۳۰۹، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابة ۲/۳۶۷، اسد الغابة ۳/۲۶۰، البداية والنهاية ۲/۱۵۹
③، ④ حوالہ سابق۔ ⑤ سیر اعلام النبلاء ۴/۲۲۷

آپ رضی اللہ عنہ کو کتابِ الٰہی کی کتابت کے لئے منتخب فرمایا اور قریش میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ ہی کو قرآن کریم کی کتابت اور لکھنے کا شرف حاصل ہوا، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

((اَوَّلُ مَنْ کَتَبَ مِنْ قُرَیْشٍ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ سَرْحٍ)).①

ارتداد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ مَجْرَ الدَّمِ)).

"کہ شیطان انسان کے اندر ایسے دوڑتا ہے جیسے خون رگوں میں دوڑتا رہتا ہے۔"

یہی شیطان لعین جو حضرت انسان کا ازلی اور جانی دشمن ہے، حضرت عبداللہ بن سعد کو بھٹکانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے آپ کے ایمان کو متزلزل اور ڈگمگا دیا اور آپ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے مرتد ہو گئے، اور کفار مکہ کے ساتھ جا ملے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((کَانَ ابْنُ اَبِیْ سَرْحٍ یَکْتُبُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَزَلَّہُ الشَّیْطَانُ فَلَحِقَ بِالْکُفَّارِ)).②

"عبداللہ بن سعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، شیطان نے ان کو بھٹکا دیا اور وہ کفار مکہ سے جا ملے۔"

صرف یہی نہیں ہوا کہ آپ مرتد ہو کر مکہ چلے گئے، بلکہ کفار مکہ کے درمیان یہ جھوٹ اور افواہ پھیلا دی کہ وہ قرآن کریم میں جیسے چاہتے اور جہاں چاہتے تھے ردو بدل اور تبدیلی کر دیتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں جی میں آتا اپنے من کی بات کر کے منوا لیتے تھے اور وہی قرآن میں لکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

((فَقَالَ لَھُمْ: اِنِّیْ کُنْتُ اُصَرِّفُ مُحَمَّدًا حَیْثُ اُرِیْدُ، کَانَ یُمْلِیْ عَلَیَّ: "عَزِیْزٌ

---

① اسد الغابۃ ۱/۱۷۰، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابۃ ۲/۳۶۷، الاصابۃ ۲/۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۴

② سیر اعلام النبلاء ۴/۲۲۶، دیکھئے: اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، الاصابۃ ۲/۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۴

حَكِيمٌ" فَأَقُولُ أَوْ "عَلِيمٌ حَكِيمٌ" فَيَقُولُ نَعَمْ "كُلٌّ صَوَابٌ")).[1]

"کہ عبداللہ بن سعد نے کفار مکہ سے کہا کہ میں جہاں چاہتا ہوں محمد (ﷺ) کو پھیر دیتا ہوں، انہوں نے مجھے "عزیز حکیم" لکھوایا تو میں نے کہا کیا "علیم حکیم" ہوسکتا ہے تو وہ کہنے لگے، ہاں دونوں صحیح ہیں۔"

انہیں زندہ مت چھوڑنا!

بالآخر اللہ تعالیٰ نے ۸ ہجری میں اسلام اور مسلمانوں کو وہ عزت و طاقت بخشی اور اپنے حبیب ﷺ کو تمام لوگوں پر غلبہ اور شوکت عطا فرمایا: "مکۃ المکرمہ" فتح ہوا، اور آسمان دُنیا نے نبی رحمت ﷺ کی پناہ اور بے حد وحساب بخشش ورحمت کا ایسا منظر دیکھا، جس سے پہلے اسے دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، اور شاید آپ ﷺ کے بعد بھی یہ منظر دیکھنا نصیب نہ ہوگا، ہر طرف الطاف وعنایات اور بخشش اور درگزر کا مینہ برس رہا ہے:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (یوسف: ۹۲).[2]

کا اعلان عام ہو رہا ہے، اسے بھی پناہ مل رہی ہے جس نے گالی دی، وہ بھی عزت دیا جا رہا ہے جس نے بے عزت کیا، اس کا بھی خون معاف کیا جا رہا ہے، جس نے خون بہایا، حتیٰ کہ ابوسفیان (جو اخیر تک مسلمانوں کے دشمن رہے تھے) کی خوشنودی اور دل رکھنے کے لئے یہ اعلان ہو رہا ہے کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے بھی جرم معاف ہیں۔[3] لیکن اس عنایت وبخشش اور عام معافی سے اگر کسی کے لئے محرومی ہے تو صرف تین آدمی، جن میں ایک سعد بن سرح کے بیٹے عبداللہ بھی ہیں، اور اس رحمت دو عالم ہی کا یہ اعلان ہے انہیں زندہ مت چھوڑنا اگرچہ کعبہ کا غلاف تھامے ہوئے ملیں:

((أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِقَتْلِهِ وَقَتْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَطَلٍ وَمَقِيسِ بْنِ صَبَابَةَ وَلَوْ وُجِدُوا تَحْتَ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ)).[4]

---

① اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابۃ ۲/۲۶۷

② زاد المعاد ۱/۲۲٤ ③ السیرۃ النبویۃ ۱/۲۲٤

④ الاستیعاب مع الاصابۃ ۲/۳۶۰، دیکھئے: اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، الاصابۃ ۲/۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰٤

"کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن خطل اور مقیس بن صبابہ کے قتل کا حکم دیا خواہ یہ لوگ کعبہ کے غلاف کے پیچھے ہی کیوں نہ ملیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں:

اپنی موت کا فرمان سن کر عبداللہ بن سعد کو راہِ فرار اختیار کرنے اور بھاگ جانے ہی میں اپنی نجات سمجھ میں آئی، لیکن بھاگتے بھی کہاں؟ اور کون تھا جو ان حالات میں انہیں پناہ دیتا، پر ایک آدمی ایسا بھی تھا جہاں انہیں پناہ ملنے کی اُمید نظر آئی۔ کیونکہ وہ رحم وکرم اور شرم وحیا کا پتلا ہے، اور انہیں نبی ﷺ کی دامادی کا بھی شرف حاصل ہے، اور چونکہ حضرت سعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے اس لئے آپ نے بھاگ کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پناہ لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں چھپائے رکھا، اور جب ماحول سازگار ہوا تو نبی رحمت ﷺ کے دربار میں لے کر حاضر ہوئے اور معافی کی سفارش کی۔ چنانچہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((فَفَرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَغَيَّبَهُ عُثْمَانُ حَتّٰى أَتٰى بِهِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَا اطْمَأَنَّ أَهْلُ مَكَّةَ فَاسْتَأْمَنَهُ لَهُ)). ①

"کہ عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ کر پناہ لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں چھپائے رکھا اور جب مکہ کے حالات سازگار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور ان کو امن دینے کی درخواست کی۔"

توبہ:

لیکن آپ کے مرتد ہوجانے کی وجہ سے نبی رحمت ﷺ آپ سے اتنا خفا اور ناراض تھے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کی توبہ قبول نہ کریں اور حضور ﷺ چاہتے تھے کہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش کے باوجود قتل کردیا جائے۔ چنانچہ امام ابوداؤد کا بیان ہے:

((فَجَاءَ بِهِ حَتّٰى أَوْقَفَهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! بَايِعْ

---

① اسد الغابة ۳/۲۶۰، دیکھئے: البداية والنهاية ۵/۳۰۴، الاستيعاب ۲/۳۶۸، سير اعلام النبلاء ۴/۲۲۶، السيرة النبوية لابن هشام ۴/۵۸-۵۷

عَبْدَ اللّٰهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ثَلَاثًا كُلَّ ذَالِكَ يَأْبَى فَبَايَعَهُ بَعْدَ ثَلَاثٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى صَحَابِهِ فَقَالَ: أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ يَقُومُ إِلَى هٰذَا حِينَ رَأَنِي كَفَفْتُ يَدَيَّ عَنْ بَيْعَتِهِ فَيَقْتُلُهُ، فَقَالُوا مَا نَدْرِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! مَا فِي نَفْسِكَ أَلَا أَوْمَأْتَ إِلَيْنَا بِعَيْنِهِ قَالَ: إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةُ الْأَعْيُنِ))۔ ①

"تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں (عبداللہ بن سعد) کو لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! عبداللہ بن سعد کو بیعت کر لیں، تو آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور ان کی طرف تین بار دیکھا اور ہر بار بیعت سے انکار کیا، پھر تین بار کے بعد آپ ﷺ نے بیعت لی، پھر اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں کوئی دانا اور سمجھ دار آدمی نہیں ہے، جب تم نے مجھے بیعت لینے سے رکتے ہوئے دیکھا تو کیوں نہ تم میں سے کسی نے اس کی گردن اڑا دی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے دل میں کیا ہے، ہم نہ سمجھ سکے آپ نے چشم و ابرو سے اشارہ کیوں نہ فرما دیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی نبی کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرے۔"

ذرا غور فرمائیں کہ نبی ﷺ کے دل میں شدید ناراضگی ہے اور آپ کی دلی تمنا اور خواہش ہے کہ عبداللہ کو قتل کر دیا جائے، لیکن کیا کیجئے گا ہوتا وہی ہے جو کاتب تقدیر نے لکھ دیا ہے اور اللہ ہی کا چاہا ہوا ہی وجود پاتا ہے، گو کہ نبی ﷺ بڑے خفا تھے، لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا کہ جس ہاتھ نے اللہ کے کلام اور قرآن کریم کی کتابت کی وہ جہنم کا ایندھن بنے، شاید یہی تو وجہ ہے کہ حضرات صحابہ باوجودیکہ بڑے دانا و بینا اور زیرک تھے، لیکن وہ نبی ﷺ کے خاموش الفاظ کو نہ سمجھ سکے۔ مشیتِ الٰہی، مشیتِ نبوی ﷺ پر غالب آئی اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نبی رحمت کے دربار سے بامراد لوٹے، اور جنت میں داخلہ کی

① ابوداؤد ۲/۵۹۹، باب الحکم فی من ارتد، دیکھئے اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، الاصابۃ ۳۰۹

سند حاصل کرلی۔ ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ رَضِیَ عَنْهُ﴾

اس توبہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے دعوت وعزیمت کی ایسی تاریخ رقم کی جو رہتی دُنیا تک باقی رہے گی اور پوری امت کے لئے میل کا پتھر ثابت ہوگی، اور اس توبہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی عمل وکردار سے بھری رہی، اور کوئی ایسی چیز پھر سامنے نہ آئی جس سے آپ رضی اللہ عنہ کی نیک نامی کا بٹہ لگے، ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((اَسْلَمَ ذَالِكَ الْيَوْمَ فَحَسَّنَ اِسْلَامَهٗ وَلَمْ يَظْهَرْ مِنْهُ بَعْدَ ذَالِكَ مَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ)).[1]

"کہ اس دن آپ اسلام لائے اور آپ کا اسلام بہترین رہا اور پھر کوئی ایسی چیز پیش نہ آئی جس کی وجہ سے آپ پر نکیر کی جاسکے۔"

فتح مصر اور آپ کا کارنامہ

عہد فاروقی کی اہم فتوحات میں ایک مصر کی فتح ہے اور اس فتح کا تمام تر سہرا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سر ہے، جس پر فوج کشی ابتداءً ۱۸ ہجری اور ۲۰ ہجری یعنی صرف ۲ سال کے عرصہ میں پورا مصر مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا۔ چونکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں مصر جایا کرتے تھے، اور اسی زمانہ سے مصر کی زرخیزی اور شادابی آپ کی نظر میں تھی، مصر پر فوج کشی کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مصر کی "قبطی" حکومت قیصر روم کے ماتحت تھی اور رومیوں کا ان پر بڑا اثر تھا اور نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام کے سرحدی علاقہ میں شورش برپا کر سکتے تھے، اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر کی فتح ضروری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار پر اجازت دے دی، اور چار ہزار فوج کا دستہ ان کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ بیس ۲۰ ہجری میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر فوج کشی کی، اس حملہ آور فوج کے میمنہ کے سردار اور قائد حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

[1] اسد الغابة ۳/۲۶۱، دیکھئے: البداية والنهاية ۵/۳۰۴

تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَ کَانَ عَلٰی مَیْمَنَۃِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حِیْنَ افْتَتَحَ عَمْرٌو مِصْرَ سَنَۃَ عِشْرِیْنَ فِی الدَّوْلَۃِ الْعُمَرِیَّۃِ)).[1]

"کہ حضرت عبداللہ بن سعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فوج کے میمنہ کے کمانڈر تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۰/ ہجری میں انہوں نے مصر فتح کیا۔"

غرض کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عریش[2] کے راستہ فرما پہنچے، یہاں رومی فوجوں سے جنگ ہوئی، جس میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے سرفراز فرمایا اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ بلبیس وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچ گئے۔[3] جو ان دنوں "البونہ" کے نام سے جانا جاتا تھا یہاں کے باشندگان نے شہر کی حفاظت کی غرض سے خندق کھود لی، تاکہ اسلامی فوج خندق کی وجہ سے شہر میں داخل نہ ہو سکے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب یہاں کی حالت دیکھی تو ناکہ بندی (محاصرہ) کا حکم دیا اور مسلمانوں نے فسطاط کا محاصرہ کر لیا، ابھی ناکہ بندی شروع ہی ہوئی تھی کہ لگاتار جنگوں سے تھکی اور زخموں سے چور مسلم افواج کو بارہ ہزار تازہ دم فوج کی کمک مل گئی، جس نے مسلم مجاہدین کے جوش و خروش جذبہ جہاد اور شوق شہادت کو اور بھی گرما دیا، اس بٹالین کی کمان حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، یہ بارہ ہزار پر مشتمل فوج (بٹالین) میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت مقداد بن الاسود، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ بھی شریک تھے۔[4] یہ ناکہ بندی طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی، جو کفار کے لئے تو جان لیوا تھی ہی مسلمانوں کے لئے بھی پریشان کن اور حوصلہ شکن ثابت ہو رہی تھی کہ پورے سات ماہ بعد ایک دن وہ موقع میسر آ ہی گیا، جو فتح مصر کے لئے کلید ثابت ہوا۔

---

① البدایۃ والنھایۃ

② مصر کا ایک شہر ہے جس کی تعمیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کی۔ (دیکھئے: معجم البلدان ۳۸۰)

③ فرما عریش اور فسطاط کے درمیان، مصر کا ایک ساحلی شہر ہے۔ حوالہ سابق ۳۸۰/۶

④ البلاذری ص ۲۱۳-۲۱۵، نیز دیکھئے: الفاروق عمر، از ڈاکٹر ہیکل ۱۱۶/۲، قادۃ فتح الشام ومصر ص ۱۳۹ از محمود شیت خطاب۔

((فَاسْتَمَرَّ الْحِصَارُ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ)).[1]

سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بے پناہ شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنِّي أَهِبُ نَفْسِي لِلّٰهِ تَعَالَى فَمَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّبِعَنِي فَلْيَفْعَلْ)).[2]

"آج میں اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کرتا ہوں تم میں سے جو چاہے میرے ساتھ ہو لے۔"

اور قلعہ کی دیوار پر چند جانبازوں کے ساتھ چڑھ گئے، رومی مسلمانوں کی بہادری و جرأت اور تکبیر کے غلغلہ سے اس قدر خائف ہوئے کہ قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔[3] پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے بابلیون کے قلعہ کے علاوہ متعدد شہر اور قلعے فتح کئے۔ اور اس طرح پورے مصر پر اسلامی جھنڈا پوری شان سے لہرانے لگا اور مصریوں کو بندوں کی غلامی سے آزادی، مذہب باطل کے جور و ستم سے رہائی اور دنیا کے فرسودہ اور تباہ حال قانون کی جگہ اسلام کا سایہ عدل وانصاف نصیب ہوا۔[4]

اہلِ نوبہ سے مصالحت

نوبہ جنوبی مصر کا ایک بہت ہی بڑا شہر ہے۔[5] لیکن یہ علاقہ بڑا شورش زدہ تھا، جہاں سے حملہ کا اندیشہ اور خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی حفاظت کو مستحکم بنانے کے لئے اس جنوبی شہر میں فوج کشی کا فیصلہ فرمایا تاکہ یہ سرحدی علاقہ بھی سلطنت اسلامی کے زیر نگیں آجائے اور کسی طرح کی شورش اور دراندازی کا خطرہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عقبہ بن نافع الفہری کو "نوبہ" پر فوج کشی کے لئے روانہ فرمایا، لیکن اہل "نوبہ" بھی غالباً جنگ کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں

---

①، ② حوالہ سابق

③ معجم البلدان ۶/۳۷۸، دیکھئے: البلاذری ص ۳۰۵، فتح مصر والمغرب ص ۹۱

④ دیکھئے: الفاروق عمر ۶/۱۱۶، فتح مصر وشام ۹۴-۹۵، قادۃ فتح الشام ومصر ص ۱۴۰-۱۳۹

⑤ بلاد واسعة فی جنبو مصر۔ (معجم البلدان ۸/۳۲۳)

کا تیروں کی بارش سے استقبال کیا، اور بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑے، اور مسلمانوں کو اُلٹے پاؤں لوٹنے پر مجبور کر دیا، اس معرکہ میں بہت سارے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے اس کے باوجود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ہار نہ مانی اور اہل نوبہ سے برابر چھڑپیں ہوتی رہیں، بعد کو جب عہد عثمانی میں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو "مصر" کا گورنر بنایا گیا تو انہوں نے اہل نوبہ سے اس شرط پر صلح کی کہ مسلمان انہیں غلّہ دیں گے اور اہل "نوبہ" مسلمانوں کو ان غلوں کے عوض غلام دیا کریں گے۔

((فَلَمْ يُصَالِحْهُمْ عَمْرٌو وَ لَمْ يَزَلْ يُهَاجِمُهُمْ بَيْنَ حِيْنٍ وَ آخَرَ، حَتّٰى عُزِلَ عَنْ مِصْرَ وَ وُلِّيَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنُ اَبِيْ سَرْحٍ فَصَالَحَهُمْ يُعْطِيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ شَيْئًا مِنَ الْقَمْحِ وَالْعَدَسِ وَالنُّوبِيُّوْنَ رَقِيْقًا)).[1]

"حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں (اہل نوبہ) سے صلح نہیں کی اور دونوں فوجوں کے درمیان برابر چھڑپیں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا گیا اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی سرح گورنر بنائے گئے تو انہوں نے اہل نوبہ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ مسلمان اہل نوبہ کو گیہوں اور دال دیا کریں گے اور اہل نوبہ مسلمانوں کو غلام دیں گے۔"

غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ کی مصلحت اور مصالحت پسندی سے روز روز کا یہ کشت وخوں بند ہوا اور مصر کے جنوبی علاقہ میں بھی امن وامان قائم ہو سکا۔

مصر کی باگ ڈور

۲۵ ہجری میں اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کی جسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سختی سے کچل دیا، اور اسکندریہ کی بغاوت میں پیش پیش رہنے والے جنگجوؤں کو قتل کر دیا اور بچوں کو غلام بنا لیا، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان غلاموں کی واپسی کا حکم دیا، جنہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مختلف بستیوں سے

① قادۃ فتح الشام و مصر ص ۱۴۳، دیکھئے: البلاذر ص ۲۳۹۳۸، فتح مصر والمغرب ۱۵۳-۱۵۲

گرفتار کر کے غلام بنالیا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر میں یہ لوگ باغی نہیں تھے، اور غالباً اس کارروائی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی عمارت سے معزول کر دیا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((وُعَزِلَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَوُلِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِي سَرْحٍ)).[1]

فتح مصر کے مختلف مہمات میں حضرت عبداللہ بن سعد کی جنگی سوجھ بوجھ اور قائدانہ صلاحیت کھل کر اور نکھر کر سامنے آ چکی تھی، اور سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی دُور رس نگاہوں نے آپ کی بے پناہ قائدانہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی لیاقت کا اعتراف آپ کو مصر کا گورنر اور امیر بنا کر کیا۔ اور ۲۵ ر ہجری میں آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بعد مصر کی مسند امارت کو عزت بخشی۔

محصول میں اضافہ

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے مصر کا گورنر بنتے ہی وہاں کے محصول میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر کا کل محصول اور جزیہ (ٹیکس) صرف دو ہزار دینار تھا، جب کہ آپ کے زمانہ عمارت میں یہ رقم بڑھ کر چار ہزار دینار ہو گئی۔ اور مصر سے جزیہ کی شکل میں چار ہزار دینار مدینہ کو ملنے لگا۔ جس کا اعتراف خود امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقع پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِنَّ اللِّقَاحَ بِمِصْرَ بَعْدَكَ دَرَّتْ اَلْبَانَهَا فَقَالَ عَمْرٌو: ذَاكَ لِأَنَّكُمْ اَوْ جَفْتُمْ اَوْلَادَهَا)).[2]

"کہ تمہارے بعد مصر کی بکریوں نے دودھ کی ندیاں بہادیں، تو حضرت عمرو نے فرمایا یہ اس وجہ سے ممکن ہوا کہ تم نے وہاں کے رہنے والوں کو بھوکوں مار دیا۔"

---

① الاستیعاب ۳۹۴/۱، ط: دائرۃ المعارف دکن ۱۳۱۸ھ، نیز دیکھئے: اسد الغابۃ ۱۷۳/۳، البدایۃ والنہایۃ، ۳۰۴/۵، قادۃ فتح مصر والشام ص ۱۴۷

② البلاذری ص ۲۱۷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ عمرو تمہاری امارت میں تو ٹیکس کی آمدنی بہت کم تھی، لیکن تمہارے بعد وہاں کے محصول میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔

افریقہ کی جنگی مہم اور آپ کا کارنامہ

۲۰ ہجری کے اختتام تک پورا مصر اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا، کفر کے بادل چھٹ گئے تھے، اور مصر کے چپہ چپہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوقِ غلامی اپنی گردن میں ڈال لیا۔ کفر و شرک اور طاغوت کی بیڑیوں کو توڑ کر آزادی کا ترانہ گنگنانے لگا، غرض مصر کی فتح افریقہ کی فتح کی کلید اور کنجی بنی۔ اور مصر کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلہ کو پر لگا دیئے اور مسلم فوج نے ۲۵ ہجری میں افریقہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، اور افریقہ کے بعض سرحدی علاقہ پر اسلام کی عظمت و صداقت کا جھنڈا گاڑ دیا، اور اس فتح سے حوصلہ پا کر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر باضابطہ فوج کشی کی اجازت طلب فرمائی اور اجازت ملتے ہی افریقہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

((فَلَمَّا عَادَ عَبْدُاللّٰهِ كَتَبَ إِلَى عُثْمَانَ يَسْتَأْذِنُهُ فِي غَزْوَةِ إِفْرِيْقَةَ فَأَذِنَ لَهُ)).[1]

فتح افریقہ

ابھی ذکر آیا کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر فوج کشی کی اجازت طلب کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ خمس میں سے پانچ فیصد بطور انعام دینے کا وعدہ بھی فرمایا۔ چنانچہ سید احمد بن زینی دحلان رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ أَبِي سَرْحٍ اِسْتَأْذَنَ عُثْمَانَ رضي الله عنه فِي غَزْوَةِ إِفْرِيْقَةَ، فَأَذِنَ لَهُ وَقَالَ: إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ فَلَكَ مِنَ الْفَيْئِ خُمُسُ الْخُمُسِ)).[2]

---

[1] الفتوحات الاسلامية بعد مضى الفتوحات النبوية ١٦٩/١، از السید احمد بن زینی دحلان، مفتی مکہ، مکتبہ مصطفیٰ محمد مصر

[2] حوالہ سابق ١٧٠/١

"کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر فوج کشی کی اجازت مانگی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے اجازت دے دی کہ اگر اللہ نے تمہاری ہی قیادت میں افریقہ میں فتح سے ہمکنار کیا تو تمہیں بطور انعام مالِ غنیمت کے خمس میں سے پانچ فیصد دیا جائے گا۔"

پھر کیا تھا حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی جنگی مہم کی تیاری شروع کردی، اور دربارِ خلافت سے افریقہ کی خطرناک جنگی مہم کے لئے مزید فوج طلب کی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اعلیٰ سطحی میٹنگ طلب کی، جس میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت فرمائی اور افریقی مہم کے لئے فوجی قوت میں اضافہ اور مزید فوج بھیجنے کی تجویز منظور کر لی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس اور عبداللہ بن نافع بن حارث رضی اللہ عنہما کے دستوں کو حکم دیا کہ آ کر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی جنگی مہم میں شرکت کریں۔ ادھر خود مدینہ منورہ سے ایک فوجی دستہ جس میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ موجود تھے [1] تیار فرما کر روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی کمان میں یہ فوج اسلام کا پرچم لہرانے اور اللہ کا دین صحرائے افریقہ میں پھیلانے کا عزم لئے ہوئے نکل کھڑی ہوئی۔ جب حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ "برقہ" پہنچے تو یہیں حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ آ ملے۔ [2] یہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے روم کے ساحلی علاقوں پر حملے کیے، اور افریقہ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی، اور ہر چہار جانب اپنے فوجی دستوں کو پھیلا دیا۔

ایک جنگی چال

ان دنوں ان افریقی علاقوں کا فرمانروا "جرجیر" تھا، جس کی حکومت طرابلس سے طنجہ تک تھی، جرجیر شہنشاہ روم "ہرقل" کا مقرر کردہ والی تھا اور سلطنت روم کو ہر سال خراج ادا کرتا

---

① اسد الغابۃ ۳/۱۷۳، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹٤

② الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۱۷۰، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰٤

تھا، جب "جرجیر" کو حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کی پیش قدمی کی خبر ملی تو جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ فوج میں نئی بھرتیاں شروع کیں اور ایک لاکھ بیس ہزار گھوڑ سوار فوجیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکل پڑا۔ اور دارالحکومت سبیطلہ کے باہر ایک میدان میں مسلم افواج کے سامنے خیمہ زن ہوا، یہاں سبیطلہ کی مسافت ایک دن اور ایک رات تھی، اس نازک وقت میں مسلمانوں کا رابطہ اپنے دارالحکومت سے بالکل ختم ہو چکا تھا، لیکن مسلمان بڑی استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور نصرتِ الٰہی کے منتظر دشمنانِ اسلام کے سامنے سینہ سپر رہے۔ روزانہ صبح سے دوپہر تک لڑائیاں ہوتیں اور دوپہر کو زخموں سے چور دونوں ہی فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس ہو جاتیں۔ یہ جنگ قلتِ فوج کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے زیادہ مہلک ثابت ہو رہی تھی کہ اس نازک گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تازہ دم مجاہدین کے ساتھ آ پہنچے۔ جب جرجیر کو اس کمک کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس کے ہوش اُڑ گئے "وَقَفَتْ ذَالِكَ عَضُدَهُ"[1] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب جنگ کا یہ ہلاکت خیز منظر دیکھا اور مسلم فوج کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو بھی ذرا ملول اور غمگین پایا تو صورتحال دریافت فرمائی کہ آخر کیا ماجرا ہے اور عبداللہ کیوں اتنا غم زدہ ہے؟

((فَقِيْلَ اِنَّهُ سَمِعَ مُنَادِيَ جِرْجِيْرٍ يَقُوْلُ : مَنْ قَتَلَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اَبِيْ سَرْحٍ فَلَهُ مِائَةُ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَ اُزَوِّجُهُ اِبْنَتِيْ وَ هُوَ يَخَافُ عَلٰى جَيْشِ الْمُسْلِمِيْنَ اِنْ قُتِلَ، فَحَضَرَ عِنْدَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَ قَالَ لَهُ : تَأْمُرُ مُنَادِيًا يُنَادِيْ مَنْ اَتَانِيْ بِرَأْسِ جِرْجِيْرٍ فَلَهُ مِائَةُ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَ زَوَّجْتُهُ اِبْنَتَهُ وَ اسْتَعْمَلْتُهُ عَلٰى بِلَادِهٖ، فَفَعَلَ فَصَارَ جِرْجِيْرُ يَخَافُ اَشَدَّ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ)).[2]

"حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بتلایا گیا کہ جرجیر نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو

[1]، [2] الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۱۷۱

عبداللہ بن سعد کو قتل کرے گا، اسے ایک لاکھ دینار کے انعام سے نوازا جائے گا اور وہ اس کی اپنی بیٹی سے شادی کر دے گا، اس اعلان کی وجہ سے حضرت عبداللہ ملول ہیں کہ اگر انہیں قتل کر دیا گیا تو مسلم فوج کا کیا ہوگا؟ یہ سب سن کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ اعلان کروا دیں کہ جو جرجیر کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار کے علاوہ جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور اس کو اس ملک کی گورنری سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد جرجیر حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ خوف زدہ ہو گیا۔"

اس جنگی چال کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور پوری رومی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری جنگی چال اور نئی اسکیم بنائی اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یہ روز کی جنگ اور کشت وخون طول پکڑتی جا رہی ہے ہمارے دشمن اپنے ملک میں ہیں اس لئے ان کے لئے کوئی خاص پریشانی کی بات نہیں ہے، جبکہ ہم لوگ اپنے ملک اور مسلمانوں سے ہزاروں میل فاصلہ پر ہیں، اس لئے میرا خیال ہے کہ:

أَنْ نَتْرُكَ غَدًا جَمَاعَةً صَالِحَةً مِنْ أَبْطَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ خِيَامِهِمْ مُتَأَهِّبِيْنَ وَ نُقَاتِلُ نَحْنُ الرُّوْمَ فِيْ بَاقِي الْعَسْكَرِ إِلَى أَنْ يَضْجَرُوْا أَوْ يَمِلُّوْا، فَإِذَا رَجَعُوْا إِلَى خِيَامِهِمْ وَ رَجَعَ الْمُسْلِمُوْنَ، رَكِبَ مَنْ كَانَ فِي الْخِيَامِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ لَمْ يَشْهَدُوا الْقِتَالَ وَ هُمْ مُسْتَرِيْحُوْنَ وَ نَقْصِدُهُمْ عَلَى غُرَّةٍ فَلَعَلَّ اللّٰهَ يَنْصُرُنَا عَلَيْهِمْ)).[1]

"کل ہم کچھ چنندہ نڈر اور بہادر قسم کے مسلمانوں کو اپنے خیمہ میں چھوڑ دیں، جو جنگ کے لئے تیار ہوں اور ہم لوگ باقی فوج کے ساتھ رومیوں کا مقابلہ کریں اور انہیں تھکا کر پریشان کر دیں، جب (حسب معمول) وہ اپنے خیموں میں لوٹ جائیں اور مسلمان بھی لوٹ آئیں تو ان تازہ دم مجاہدین کے ساتھ یکبارگی

[1] الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۱۷۱

ان پر حملہ بول دیں، ممکن ہے کہ اس ترکیب سے اللہ ہماری مدد کرے اور ہم فتحیاب ہو جائیں۔"

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے تمام اکابر صحابہ کو جمع کیا اور ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز رکھی اور مشورہ طلب کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور یہ اسکیم باتفاق طے پا گئی۔ اگلے دن مسلمانوں نے اسی اسکیم پر عمل کیا، کچھ چنیدہ اور بہادر مسلمان اپنے خیموں میں تیاری کی حالت میں رہے اور اپنے اپنے گھوڑے وہیں پر باندھ رکھے، اور باقی تمام مجاہدین رومیوں سے جنگ کے لئے نکل گئے اور دوپہر تک انتہائی ہلاکت خیز اور خون ریز جنگ ہوتی رہی، جونہی ظہر کا وقت ہوا رومیوں نے حسب معمول اپنے خیموں میں واپسی کی راہ لینی چاہی، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آج ان کی تمام راہیں بند کر دیں، انہیں لڑنے پر مجبور کر دیا، حملے تیز کر دیئے اور جنگ جاری رکھی اور انہیں تھکا مارا۔ جب رومی تھک کر چور ہو گئے تو مسلمانوں نے بھی واپسی کی راہ لی، ابھی رومیوں نے ہتھیار رکھنے کے بعد اپنی سانسیں بھی نہ درست کی تھیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ان مجاہدین کے ساتھ جنہوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اور تازہ دم تھے، کسی طوفان بلاخیز اور سیل رواں کی طرح رومیوں پر ٹوٹ پڑے، مجاہدین اسلام کی فلک شگاف تکبیروں نے ان کے ہوش اڑا دیئے، اس اچانک حملہ کے لئے رومی بالکل ہی تیار نہیں تھے، اس لئے وہ ہتھیار بھی اٹھا نہ سکے اور مجاہدین ان پر حاوی ہو گئے، رومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خود جرجیر کو قتل کیا اور اس طرح مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم سے سرفراز فرمایا۔[1] اعلان کے مطابق حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ دینار اور جرجیر کی لڑکی بطور انعام دے دی۔

سبیطلہ کا محاصرہ:

اس فتح کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا اور یہ

---

① الفتوحات اسلامیۃ ۱/۱۷۱، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰٤

شہر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

مالِ غنیمت

بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی فتح اور عظیم کامیابی تھی، جس نے رومیوں کی کمر توڑ دی، اس فتح نے نہ صرف ان کے حوصلے پست کر دیئے، بلکہ مسلمانوں کے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیئے، مسلمانوں کو یہاں بے پناہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا، ایک ایک سوار کو تین تین ہزار دینار ایک ایک پیادہ کو ایک ایک ہزار دینار حصہ ملا۔ اندازہ کیجئے کہ بیت المال کے حصہ میں کتنا مال آیا ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدِهٖ اَفْرِيْقَةَ كَانَ فَتْحًا عَظِيْمًا بَلَغَ سَهْمُ الْفَارِسِ ثَلَاثَةَ اٰلَافِ مِثْقَالٍ ذَهَبًا وَ سَهْمُ الرَّاجِلِ اَلْفَ مِثْقَالٍ)).[1]

"اللہ تعالیٰ نے ان (عبداللہ بن سعد) کے ہاتھوں افریقہ کی فتح نصیب فرمائی، یہ ایک عظیم فتح تھی کہ جس میں سواروں کو تین تین ہزار مثقال، جبکہ پیادہ ایک ایک ہزار مثقال حصہ ملا۔"

اس طرح ایک سال تین ماہ کی مسلسل کاوشوں کے بعد افریقہ پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، اور یہ مہم پوری ہو گئی، جس میں صرف تین مجاہدوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں مشہور شاعر حضرت ابوذؤیب ہذلی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔[2] اور اس جنگی مہم کی تکمیل کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر واپس آ گئے۔[3]

(۱)، (۲)، (۳) الفتوحات الاسلامية ۱/۱۷۱

بحری جنگ

فتح قبرص

پہلے ہی ذکر آچکا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کے یہاں آرام فرما تھے کہ آپ ﷺ کو خواب میں یہ بشارت ملی کہ آپ ﷺ کی امت کے کچھ لوگ سمندر میں بادشاہوں کی طرح سفر کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ جب مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو اُم حرام رضی اللہ عنہا نے وجہ دریافت کی اور درخواست کی:

((اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ)).

اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

((اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ)).[1]

"کہ تم پہلی بحری جنگ میں شریک ہوگی۔"

تاریخ اسلام کی پہلی بحری جنگ تھی، جس کی پیشینگوئی آقا ﷺ نے کی تھی اور حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کو اس غزوہ میں شرکت کی بشارت دی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے قبرص پر حملہ کی بار بار اجازت چاہی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحری جنگ کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اجازت نہیں دی، بعد کو جب سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ:

((لَا تَنْتَخِبِ النَّاسَ وَلَا تَقْرَعْ بَيْنَهُمْ بَلْ خَيِّرْهُمْ فَمَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ طَائِعًا فَاحْمِلْهُ وَأَعِنْهُ فَفَعَلَ)).[2]

---

[1] بخاری ۱/۹۲-۳۹۱، رقم ۲۷۹۹، نیز دیکھئے: ۲۸۹۵، باب رکوب البحر

[2] الفتوحات الاسلامیة ۱/۱۷۱

"اس بحری جنگ کے لئے تم نہ تو کسی کا انتخاب کرو گے اور نہ ہی قرعہ اندازی کرو گے، بلکہ لوگوں کو اختیار دے دو، جو بخوشی تمہارا ساتھ دینا چاہے اسے ساتھ لے لو اور اس کا تعاون کرو، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی حکم پر عمل کیا۔"

دربارِ خلافت سے اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۲۸ر ہجری میں شام سے قبرص کی طرف کوچ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مہم میں حضرت ابوذر، حضرت ابو درداء اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ بھی شریک تھے، ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام قبرص پہنچے اور دوسری طرف حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر سے اپنی فوج کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعاون کے لئے قبرص پہنچے، یہاں مسلمانوں نے ایک خون ریز معرکہ لڑا اور دشمنوں نے قتل و غارت کے بعد ۷ ہزار دینار جزیہ دینے پر مصالحت کر لی۔ اس طرح تاریخ اسلام کی یہ پہلی بحری مہم نہ صرف کامیاب رہی بلکہ مسلمانوں نے بحری جنگ میں بھی اپنے کمال اور بہادری کا ثبوت پیش کیا، اسی جزیرہ قبرص میں حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا خچر سے گر گئیں ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور شہید ہو گئیں۔ اس طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور دعا پوری ہوئی، جس کی درخواست خود ام حرام رضی اللہ عنہا نے کی تھی، چنانچہ سید احمد زینی بن دحلان رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

فِیْ هٰذِهِ الْغَزْوَةِ مَاتَتْ اُمُّ حَرَامِ بِنْتُ مِلْحَانُ الْاِنْصَارِیَّةُ ، اَلْقَتْهَا بَغْلَتُهَا بِجَزِیْرَةِ قَبْرَسَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهَا فَمَاتَتْ تَصْدِیْقًا لِلنَّبِیِّ ﷺ حَیْثُ اَخْبَرَهَا اَنَّهَا فِیْ اَوَّلِ مَنْ یَغْزُوْ فِی الْبَحْرِ)). [1]

"اسی غزوہ میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا شہید ہو گئیں وہ جزیرہ قبرص میں اپنے خچر سے گر پڑیں، ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وفات پا گئیں اور اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی جس کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دی تھی کہ تم پہلے بحری غزوہ میں شریک ہو گی۔"

غرض کہ پہلی بحری مہم مسلمانوں نے پوری کامیابی کے ساتھ سر کر لی، جس میں فوج

---

(1) الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۱۷۴، دیکھئے: البلاذری

کے ایک حصہ کی قیادت حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

فتح اساود:

افریقی مہم سے فراغت کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے اساود پر فوج کشی کی اور اللہ کے دشمنوں کو عبرت ناک شکست دی، جس کے آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

((وَ غَزَا عَبْدُاللهِ بْنُ سَعْدٍ بَعْدَ اَفْرِيْقَةَ الْاَسَاوِدَ مِنْ اَرْضِ النُّوْبَةِ سَنَةَ اِحْدٰى وَ ثَلَاثِيْنَ هُوَ الَّذِيْ هَادَتُهُ الْهُدْنَةُ الْبَاقِيَةُ اِلَى الْيَوْمِ)).[1]

"حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے بعد ۳۱ ہجری میں مقام نوبہ سے اساود پر حملہ کیا، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔"

اور ۳۱ ہجری میں ایک اور علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے بعد اساود میں بھی اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

غزوۂ صواری:

افریقہ کی جنگ میں کھلی شکست نے رومیوں کے جذبہ انتقام کو بھڑکا دیا۔ ہرقل کے لڑکے قسطنطین نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی اور مسلمانوں کو عبرناک شکست دینے کی غرض سے پانچ یا چھ ہزار بحری بیڑوں اور جنگی جہازوں پر سوار رومیوں کی فوج قسطنطین کی قیادت میں مقابلہ کے لئے نکل پڑی، مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رومیوں کے مقابلہ کے لئے شام سے کوچ کیا اور دوسری طرف حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سمندری راستہ سے رومیوں کے سیلاب کو روکنے کے لئے نکل پڑے، چونکہ ہوا مخالف تھی، اس لئے مسلمانوں کو بڑی دقت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، بعد کو حالات معمولات پر آ گئے۔ مسلمانوں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور سکون کا سانس لیا۔ جب دونوں فوجیں مدمقابل ہوئیں تو مسلمانوں نے یہ پیشکش کی

[1] اسد الغابة ۳/۱۷۰؛ نیز دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴، البداية والنهاية ۵/۳۰۴

کہ آج کی رات ہم ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔[1] جسے رومیوں نے قبول کرلیا۔ مسلمانوں نے یہ رات اللہ کی تسبیح وتحمید، قرآن کی تلاوت اور دعاؤں و گریہ زاری کرتے ہوئے گزاری، تو رومیوں نے بھی پوری رات ناقوس بجاتے ہوئے عبادت ہی میں گزاری، اگلی صبح دونوں فوجیں جنگ کے لئے تیار ہوئیں، اور انہوں نے اپنے اپنے جنگی بیڑے اور کشتیاں قریب کرلیے، اور کشتیوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا اور انتہائی تباہ کن اور خون ریز جنگ شروع ہوئی، بہادروں نے اپنی اپنی تلواروں کے جوہر دکھائے، تیروں اور خنجروں کے کمالات نے انگشت بدنداں اور حیرت زدہ کردیا، ایسا کارن پڑا کہ الامان والحفیظ، لیکن کسی کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی اور دونوں فریقوں نے اولوالعزمی اور ثابت قدمی اور دلیری کی ایسی مثال پیش کی کہ ایسا نظارہ تاریخ میں کم ہی دیکھنے کو آیا، لاتعداد کفار واصل جہنم ہوئے تو سینکڑوں مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور قسطنطین زخمی ہوکر "صقلیہ" بھاگ گیا، جہاں وہ قتل کردیا گیا، رومیوں کو بھی راہِ فرار ہی میں اپنی نجات سمجھ میں آئی اس طرح عیسائیت کا زور ٹوٹ گیا اور کلمہ حق کا بول بالا ہوا۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زمین دوز تحریک اور آپؓ کی مدینہ واپسی

مجاہدین اسلام تو ایک طرف اللہ کے کلمۃ اللہ کی بلندی و برتری اور اسلام کی روشنی کو پھیلانے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کررہے تھے اور اسلامی سرحد کی وسعت کے لئے اللہ کی راہ میں دن رات قربانیاں دے رہے تھے، کبھی افریقہ کے صحرا میں اپنے گھوڑے دوڑا رہے تھے تو کبھی بحر اخضر کی موجوں سے ٹکرا رہے تھے، اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے قتل ہورہے تھے، اور قتل کررہے تھے، تو دوسری طرف عبداللہ بن سبا کی زیر زمین تحریک اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگی ہوئی تھی، اور ابن سبا (منافق جو پہلے یہودی تھا) کے کارندے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے بے دخل کرنے کی سازش میں لگے

---

① اسد الغابۃ ۳/۱۷، نیز دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۴

② الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۷۶-۱۷۵، نیز دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴، البدایۃ والنہایۃ ۵/۴۰۵

ہوئے تھے۔[1]

جب اس کی اطلاع حضرت عبداللہ بن سعد ابی سرح رضی اللہ عنہ کو ہوئی، تو آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے مدینہ جانے کا ارادہ فرمایا اور حضرت سائب بن ربیعہ العامری کو بارِ امارت سونپ کر مدینہ منورہ چل پڑے، لیکن بدقسمتی سے ابھی مدینہ پہنچ بھی نہ سکے تھے کہ یہاں مصر میں محمد بن ابی حذیفہ اموی نے بغاوت کر دی اور حضرت سائب بن ربیعہ کو معزول کر کے خود امیر مصر بن بیٹھے، اس بغاوت کی خبر پاتے ہی حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مصر واپسی کے ارادے سے لوٹ گئے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ نے آپ کے "مصر" میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی، اور آپ کو فسطاط میں ہی روک دیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سب کچھ تیاگ کر ان فتنوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے عسقلان (فلسطین) چلے گئے، اور تاحیات وہیں مقیم رہے۔ اس پورے واقعہ کی تفصیل علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ سے سنئے:

((وَلَمَّا اخْتَلَفَ النَّاسُ عَلٰی عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ سَارَ عَبْدُاللّٰهِ مِنْ مِصْرَ يُرِيْدُ عُثْمَانَ وَاسْتَخْلَفَ عَلٰی مِصْرَ السَّائِبَ بْنُ رَبِيْعَةَ الْعَامِرِيَّ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةِ بْنِ رَبِيْعَةِ الْاَمَوِيِّ فَاَزَالَ عَنْهَا السَّائِبَ وَ تَاَمَّرَ عَلٰی مِصْرَ، فَرَجَعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ فَمَنَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ حُذَيْفَةَ مِنْ دُخُوْلِ الْفُسْطَاطِ، فَمَضٰى اِلٰی عَسْقَلَانِ فَاَقَامَ بِهَا حَتّٰى قُتِلَ وَ قِيْلَ اَقَامَ بِالرَّمْلَةِ حَتّٰى مَاتَ فَارًّا مِنَ الْفِتْنَةِ)).[2]

"جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت شروع کر دی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مصر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کو چل پڑے اور مصر میں سائب بن ربیعہ کو اپنا نائب مقرر کیا، اسی دوران محمد بن ابوحذیفہ سائب کو برخاست کر کے خود مصر کے امیر بن گئے، یہ خبر پا کر حضرت عبداللہ واپس ہوئے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ

---

[1] اس واقعہ کی پوری تفصیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حیات وخدمات کے ذیل میں آئے گی۔
[2] اسد الغابۃ ۳/۱۷۴، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴

نے انہیں فسطاط میں داخل ہونے سے روک دیا اور آپ فتنہ سے کنارہ کشی اختیار فرماتے ہوئے عسقلان چلے گئے، وہیں تا دمِ حیات مقیم رہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ رملہ چلے گئے اور وہیں تا حیات مقیم رہے۔"

جنگ صفین سے کنارہ کشی؟

آخر معاندین اسلام کی سازش کامیاب ہوگئی اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور شام میں اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا، جس کے نتیجے میں جنگِ صفین [1] کا افسوس ناک واقعہ رونما ہوا، اس جنگ میں بہت سے صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے تو کئی ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جنہوں نے کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا اور اس جنگ سے کنارہ کشی اختیار فرمائی، انہیں میں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی تھے، جنہوں نے خونِ مسلم سے اپنا دامن داغدار ہونے سے بچا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور کسی سے بیعت نہیں کی، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَ لَمْ يُبَايِعْ لِعَلِيٍّ وَ لَا لِمُعَاوِيَةَ وَ قِيلَ شَهِدَ صِفِّيْنَ وَ قِيلَ لَمْ يَشْهَدْهَا وَ هُوَ الصَّحِيحُ)). [2]

"نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے اور کچھ کہتے ہیں کہ اس میں شریک ہی نہیں ہوئے، اور یہی صحیح بات ہے۔"

---

[1] جنگ صفین کی پوری تفصیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حیات و خدمات کے ضمن میں آئے گی۔

[2] الاستیعاب ۱/۳۹٤، دیکھئے: اسد الغابة ۳/۱۷٤

مرویات

ارتداد پھر توبہ کے بعد زیادہ تر غزوات وسرایا اور جنگوں میں شرکت کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا زیادہ تر وقت محاذوں پر دشمنوں سے لڑتے ہوئے گزرا، اس لئے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں رہنے کا زیادہ موقع میسر نہ ہوا، غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرویات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ مرویات آپ کی ہوں، لیکن صحاح ستہ اور مسند احمد میں تو آپ رضی اللہ عنہ کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((لَمْ يَقَعْ لَهُ رِوَايَةٌ فِيْ كُتُبِ السِّتَّةِ وَلَا فِي الْمُسْنَدِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ)).[1]

اور اس کوتاہ علم کو بھی تلاش وجستجو کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کی سند سے کوئی روایت نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم بالصواب

آخری تمنا

ہمارے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو اسلام کی محبت نے اس قدر اپنا دیوانہ بنا لیا تھا کہ پوری زندگی اللہ کے کلمہ کا بول بالا کرنے اور دین کی روشنی پھیلانے میں دشت وصحرا اور سمندروں کی آبلہ پائی میں گزار دی، اور دل میں کبھی کوئی دنیاوی تمنا اور آرزو نے سر نہیں اٹھایا، کوئی تمنا بھی جاگی تو کیا جاگی کوئی خواہش بھی ہوئی تو کیسی خواہش؟ اور اپنے پروردگار سے مانگا بھی تو کیا مانگا، دعا کی تو کیا دعا کی؟ سنئے اور سر دھنئے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَاتِمَةَ عَمَلِيَ الصَّلَاةَ)).[2]

کہ خداوند! مجھے تجھ سے کچھ نہیں چاہیے، بس اتنا کرم ہو جائے کہ جب میری موت آئے تو اس حال میں آئے کہ میرا سر تیرے سامنے سجدہ ریز ہو۔ آفرین ہے اس تمنا پر، صد آفرین اس خواہش پر، بھلا جس نے محبوب کی راہ میں ہزاروں زخم کھائے ہوں، ہزاروں درد سہے ہوں اور پھر اس کے کلام کی کتابت کی، بھلا وہ محبوب اپنے اس عاشق کی دعا کیوں کر

---

① البداية والنهاية ٥/٣٠٥

② اسد الغابة ٣/١٧٤، دیکھئے: الاستیعاب ١/٣٩٤

نہ سنتا، اور کیوں نہ اس کی تمنا پوری کرتا، حضرت رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی اور ابھی دائیں طرف سلام پھیرا ہی تھا کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ

((فَصَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَالْعَادِيَاتِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ ذَهَبَ يُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهِ فَتُوُفِّيَ)).[1]

جان دے دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالبؔ)

تاریخ وفات

آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض اہل علم نے آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ۳۶ ہجری بعض نے ۳۷ ہجری بتائی ہے، جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ ۵۹ ہجری میں وفات پائی۔[2] لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۳۶ ہجری میں ہوئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بڑی وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متفقہ طور پر خلیفہ چنے جانے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

((وَكَانَ وَفَاتُهُ قَبْلَ اجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَى مُعَاوِيَةَ)).[2]

غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۶ ہجری فلسطین کے شہر عسقلان میں ہوئی، البتہ بعض مورخ کہتے ہیں کہ آپ نے افریقہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ[1]

① اسد الغابۃ ۲/۱۷۴، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴
② البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۵، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴
① البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۵، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴

کتابیات

قرآنیات

① قرآن کریم ــــــــــ
② الاتقان فی علوم القرآن ــــــ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱)
③ کشاف ــــــ علامہ جار اللہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ
④ بیان القرآن ــــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
⑤ تفسیر عثمانی ــــــ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
⑥ علوم القرآن ــــــ جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی
⑦ روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی ــــ علامہ شہاب الدین محمد بن عبداللہ ابی الثنا آلوسی (۱۲۷۰)
⑧ مناہل العرفان ــــــ علامہ عبد العظیم زرقانی
⑨ البرہان فی علوم القرآن ــــــ علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ
⑩ غرائب القرآن فی رغائب القرآن ــــ نیشاپوری
⑪ النشر فی قرآت العشر ــــــ علامہ ابوالخیر محمد بن الجزری
⑫ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ــــ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی
⑬ تفسیر ابن جریر طبری ــــــ علامہ ابن جریر طبری
⑭ تاریخ القرآن ــــــ عبدالصمد صارم
⑮ تفسیر القرآن الکریم ــــــ علامہ ابن کثیر
⑯ تاریخ القرآن ــــــ علامہ کردی
⑰ التفسیر الکبیر ــــــ علامہ فخر الدین رازی (۶۳۸)
⑱ زاد المسیر ــــــ علامہ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

⑲ معالم التنزیل ________ علامہ بغوی

⑳ الفصل فی الملل والاھواوالنحل ________ علامہ ابن حزم ظاہری

㉑ ترجمہ شیخ الہند ________ مولانا محمود الحسن دیوبندی

㉒ المقتطف فی عیون التفسیر ________ علامہ مصطفیٰ الخیری

㉓ مقالات کوثری ________ علامہ زاہد کوثری (۱۳۷۱)

㉔ اسباب النزول ________ شیخ عبدالرحمٰن بن محمد

حدیثیات

① بخاری شریف ________ امام محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴-۲۵۶)

② مسلم شریف ________ امام مسلم بن حجاج القشیری (۲۰۴-۲۶۱)

③ ابوداؤد شریف ________ امام ابوداؤد سجستانی

④ ترمذی شریف ________ امام ابوعیسیٰ محمد بن سورہ ترمذی

⑤ ابن ماجہ ________ حافظ ابوعبید محمد بن یزید القزوینی

⑥ المستدرک ________ امام ابوعبداللہ حاکم

⑦ مشکوٰۃ المصابیح ________ ابوعبداللہ محمد رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۷)

⑧ الکامل ________ علامہ یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ

⑨ شرح معانی الآثار ________ علی بن زکریا ابن مسعود الحنفی الطحاوی (۶۸۶)

⑩ بیہقی (السنن الکبریٰ) ________ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

⑪ نسائی ________ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

⑫ مشکل الآثار ________ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

⑬ مسند احمد ________ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

⑭ مجمع الزوائد ________ حافظ نورالدین علی بن بکر الہیثمی (۸۰۷)

⑮ کنزالعمال ________ علامہ علاء الدین المتقی بن حسام الدینؒ الہندی

⑯ فتح الباری ________ علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲-۷۷۳)

⑰ عمدۃ القاری ________ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ

⑱ فیض الباری ________ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

⑲ حلیۃ الاولیاء ________ امام ابو نعیم اصفہانی (۱۳۳۸/۹۴۸)

⑳ تحفۃ الاحوذی ________ حافظ ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبارکپوری

㉑ اوجز المسالک ________ شیخ الحدیث محمد زکریا

㉒ الزرقانی شرح موطا ________ علامہ زرقانی

㉓ مصنف ابن ابی شیبہ ________ امام ابن ابی شیبہ

㉔ معجم الطبرانی الکبیر ________ امام طبرانی

㉕ معارف السنن ________ علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

㉖ مرقاۃ المفاتیح ________ ملا علی قاری (۱۰۸۴)

㉗ الدر المنثور ________ علامہ جلال الدین سیوطی

㉘ میزان الاعتدال ________ علامہ ذہبی

㉙ فتح المغیث ________ علامہ سخاوی

㉚ مسند ابوداؤد طیالسی ________ امام ابوداؤد طیالسی

سیر وسوانح

① زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ________ علامہ ابن قیم ابن ایوب الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

② الرحیق المختوم ________ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

③ امتاع الاسماع بما للرسول من الانبیاء.. ____ علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی

④ التہذیب ________ علامہ ابن عساکر

⑤ السیرۃ النبویہ ________ رزق اللہ احمد

⑥ سیر اعلام النبلاء ________ امام شمس محمد بن عثمان الذہبی

⑦ السیرۃ النبویہ ﷺ ______ علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ

⑧ تہذیب التہذیب ______ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

⑨ البدایہ والنہایہ ______ علامہ ابن کثیر عماد الدین اسمٰعیل بن عمر (۷۷۴)

⑩ تقریب التہذیب ______ حافظ ابن حجر عسقلانی

⑪ تاریخ دمشق ______ علامہ ابن عساکر القاسم بن الحسین بہاء الدین

⑫ حیاۃ الصحابہ ______ علامہ یوسف کاندھلوی

⑬ نبی رحمت ﷺ ______ مولانا سید ابوالحسن علی الندوی

⑭ الفاروق ______ علامہ شبلی نعمانی

⑮ طبقات ابن سعد ______ محمد بن سعد

⑯ الکامل ______ علامہ ابن اثیر

⑰ البلاذری ______ بلاذری

⑱ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ______ حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر النمری القرطبی

⑲ الاصابہ ______ شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۳)

⑳ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ______ علامہ عزالدین علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)

㉑ قادۃ فتح الشام ومصر ______ محمود شیت خطاب

㉒ الفاروق عمر ______ ڈاکٹر ہیکل

㉓ الفتوحات الاسلامیہ بعد مضی الفتوحات النبویہ ______ السید احمد بن زینی دحلان

㉔ فتح مصر والمغرب ______

متفرقات

① جزیرۃ العرب ______ مولانا محمد رابع حسنی ندوی

② معجم الوسیط ______

③ المنجد فی الاعلام واللغۃ ـــــــــ علامہ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر

④ The World Family Encyclopedia

⑤ ہامش ابن جریر ـــــــــ علامہ ابن جریر

⑥ المستصفی ـــــــــ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

⑦ صبح الاعشی ـــــــــ علامہ قلقشندی

⑧ تاریخ العرب العام (مترجم) ـــــــــ ترجمہ عادل زعیتر

⑨ المکۃ والمدینہ ـــــــــ

⑩ الیہود فی بلاد العرب ـــــــــ

⑪ معجم البلدان ـــــــــ امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت الحمدی

⑫ کتاب مجابی الدعوۃ ـــــــــ علامہ ابن ابی الدنیا

⑬ المغنی ـــــــــ علامہ ابن قدامہ المقدسی

⑭ اخبار القضاۃ ـــــــــ

⑮ ہندیہ ـــــــــ جماعۃ من علماء ہند

⑯ المدخل ـــــــــ امام بیہقی